خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

فروری 2017

Pakistanipoint
Waqar

بی سحر ملک

دوسری عورت

ڈائجسٹ ناولز لورز گروپ ❤️❤️

مشرقی افق کے سرخ کنارے اسے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ ہلکی نرم سی ٹھنڈک والی ہوا پتوں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے الہڑ دوشیزہ کے آنچل کی طرح لہرا رہی تھی۔ فضا میں تیرتے پرندے مختلف بولیاں بولتے رزق کی تلاش میں نکل رہے تھے فجر کے بعد کا یہ منظر ہمیشہ سے اس کی آنکھوں کو بہت بھاتا تھا۔

گئے دنوں کی صبحیں' شامیں سوچتے جانے کب وہ اس گھر کے افراد کی متعین کردہ حد سے نکل کر مہندی کی باڑھ تک پہنچ گئی۔ ہوش تب آیا جب اک زناٹے دار تھپڑ اس کے سنہری گال پر نشان چھوڑ گیا۔

"پہلے سمجھایا تھا آج عملی طور پر بتا رہا ہوں۔ آئندہ اس طرف قدم رکھنے کی ہمت کی تو۔"

"تو کیا؟" اس کی پشت سے نکلنے والے شخص نے اس کی بات کاٹی تھی' اس نے نظریں جھکا لیں۔ تینوں نفوس جانتے تھے کہ یہ شرمندگی نہیں ہے۔

"چپ کیوں ہو گئے برخوردار؟ مجھے بھی بتاؤ کہ اگر یہ دوبارہ ادھر آئی تو تم کیا کرو گے؟ اسی طرح تھپڑ مار کر اسے ذلیل کرو گے اور ساتھ میں مجھے بھی؟" وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔

"نبیل! یہ بہن ہے تمہاری۔"

"یہ بد کردار میری بہن ہے نہ ہو سکتی ہے اور اگر دوبارہ یہ ادھر آئی تو پھر یہ سمجھ لیں میں اس گھر میں نہیں رہنے والا۔"

نخوت سے کہتا' تن فن کرتا وہ لان عبور کر کے اندر چلا گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

ایسے ہوتے ہیں بھائی' کھڑے کھڑے میرے کردار پر کیچڑ اچھال کر مجھے بے قعت کر گیا۔" اس نے

ڈائجسٹ ناولز لورز گروپ

نادر

مکمل ناول

دکھ سے سوچا۔

بت بنے پاپا نے اسے سینے سے لگا لیا۔ "تھوڑا صبر کرنا میری بچی۔ اللہ قرآن میں فرماتا ہے 'بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔' اس نے یہ پریشانی ڈالی ہے وہی کاٹے گا۔ ان شاء اللہ۔"

ان کی آواز نم آلود تھی، خود اس کی آنکھیں بھی بھیگی تھیں۔ ناکردہ جرم کی سزا جانے کب تک کاٹنی تھی شاید مرتے دم تک۔ وہ دل گرفتی سے سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"صدف۔۔۔ صدف۔۔۔ یار! اٹھ بھی جاؤ، گھڑی دیکھو کتنا وقت ہو گیا ہے۔" شیو بناتے ہوئے وہ واش روم سے مسلسل اسے آوازیں دے رہا تھا۔

"حد ہوتی ہے لاپروائی کی۔ کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔ کم از کم میرے کپڑے تو پریس کر دو پھر بھلے سوتی رہنا سارا دن۔" جھنجلا کر اس نے صدف کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ وہ جماہیاں لیتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"استری کیے ہوئے ہیں۔ الماری میں دیکھ لیں۔" مندی مندی آنکھوں سے اس نے الماری کی طرف اشارہ کیا۔ ناچار خود اٹھ کر اس نے الماری کا پٹ وا کیا۔

"یار! یہ کیا ہے؟ شرٹ کوئی اور پینٹ کوئی اور۔ ٹائی سرے سے ہی موجود نہیں۔"

صبح صبح اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ لائننگ والی پینٹ پر چیک والی شرٹ۔ اسی طرح زچ کرتی تھی وہ اسے۔

"صدف۔۔۔ صدف اٹھ بھی جاؤ، لیٹ ہو جاؤں گا آج بھی۔" وہ بیٹھی بیٹھی اونگھ رہی تھی، اس کی آواز سن کر چونکا ہو کر بیٹھ گئی۔ باول نخواستہ اٹھ کر ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس نے پلین شرٹ نکالی اور ہمیشہ کی طرح بے ڈھنگے انداز میں استری کر کے اس پر گویا احسان عظیم کیا۔

"اب ذرا ٹائی اور موزے بھی نکال دو۔" کپڑے غسل خانے میں لے جاتے ہوئے اس نے یاد دہانی کروائی۔ تیار ہو کر آیا تو وہ الماری کھول کر سارے کپڑے زمین پر ڈھیر کر رہی تھی۔ "اس کے ساتھ والی ٹائی نہیں مل رہی۔" اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں اس نے کہا۔

"اچھا ٹائی رہنے دو۔ موزے دے دو، آل ریڈی اتنا لیٹ ہو چکا ہوں۔" بالوں کی تہ جماتے ہوئے اس نے شیشے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ۔۔۔ اصل میں۔۔۔ موزے بھی ایک جیسے۔۔۔ مل نہیں رہے۔"

تھوڑا ہچکچاتے ہوئے اس نے دو مختلف موزے اس کے سامنے رکھ دیے۔

نبیل نے اپنی بے بسی پر خود ہی ترس کھاتے ہوئے وہ موزے لے کر پہن لیے۔ ناشتے کا تصور ہی عبث تھا۔ صبح صبح خراب موڈ کے ساتھ وہ آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔ طبیعت بری طرح سے مکدر تھی۔ وہ سوچ رہا تھا اس طرح کب تک چلے گا۔ پاپا کے ساتھ ضد لگا کر اس نے خود سے ہی دشمنی مول لی تھی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں اور باقی رہ گئے تھے پچھتاوے، جو شاید آنے والی ساری زندگی پر محیط تھے۔

☆ ☆ ☆

وسیع و عریض لان میں عین اس کی کھڑکی کے پاس اک پتھر آ کر گرا، جو اس نے کھڑکی کھلی ہونے کے باعث دیکھ بھی لیا۔ چند سیکنڈز میں اس نے جا کر اس پتھر سے ننھے رقعے کو پتھر سے الگ کر کے دوپٹے تلے چھپا لیا اور ادھر ادھر دیکھ کر محتاط قدموں سے واپس کمرے میں آ گئی۔ کمرہ لاک کر کے اس نے وہ رقعہ کھولا۔

"جان اگر تمہارے پاپا اور بھائی گھر پر نہیں ہیں تو صرف ایک منٹ کے لیے دروازے پر آ جاؤ۔ میں باہر

انتظار کر رہا ہوں۔"

"تمہارا احمد۔"

رقعہ پڑھ کر اس نے گہری سانس لی اور شیشے میں اپنا
نہ جائزہ لیا۔ پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکل
۔مین گیٹ کا ذیلی دروازہ کھولتے ہی اسے وہ سامنے
ر کے ساتھ کھڑا نظر آگیا تھا۔

"کیا ہے؟" نظر بچا کر اس نے اشارے سے
پھا۔

جوابی اشارے پر اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا
ہے بے شرمی کی۔ اس نے غصے سے سوچا۔

"اس طرح رقعے مت پھینکا کرو۔" اس نے آہستہ
ازمیں کہا۔

"مجھے خود بھی اچھا نہیں لگتا۔ تمہارے پاس میرا
رہے تو سہی۔ تم کسی کے نمبر سے بات کر لیا کرو۔
گلے مہینے تنخواہ ملتے ہی تمہیں زبردست سا موبائل
لے دوں گا۔"

اس کی بات پوری ہوتے ہی اس کی نظر سامنے سے
ی گاڑی پر پڑ گئی۔ وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے اند
ل گئی۔

☼ ☼ ☼

حسب معمول شیو بنا کر اس نے شاور لیا۔ آفس
ے لیے کپڑے چینج کر کے تازہ دم ہو کر وہ باہر آیا تو دعا
لق پھاڑ پھاڑ کر رو رہی تھی۔

"صدف۔۔۔! کدھر ہو یار۔ پکڑو اسے آکر۔" بچی کو
ا سا پچکار کر اس نے صدف کو آواز دی۔ خلاف توقع
صدف اسی وقت کمرے کے کھلے دروازے سے برآمد
وئی۔ اس کے دونوں ہاتھ آٹے سے سنے ہوئے تھے۔

"آٹا گوندھ رہی ہوں ناشتے کے لیے۔"

نبیل نے نظر اٹھا کر گھڑی کی طرف دیکھا "ناشتہ
رہنے دو۔ آفس میں ہی کر لوں گا۔ اسے آکر پکڑ لو۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف قدم
بڑھایا اور اگلے ہی لمحے ڈگمگاتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل
کے کونے سے سر ٹکرا بیٹھا۔ خون اک دھار کی طرح
اس کے ماتھے پر بہہ نکلا۔ تکلیف سے بے پروا اس
نے ڈگمگانے کی وجہ پر غور کیا۔ زمین پر خراب دودھ گرا
ہوا تھا جس سے اس کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ اس کی
نظروں کے تعاقب میں گھبرائی ہوئی صدف نے بھی
دیکھا۔

"رات فیڈر میں دودھ ڈالتے ہوئے گر گیا تھا۔ میں
نے سوچا۔ صبح صاف کر لوں گی۔"

"تم اور تمہاری سوچ۔ مائی فٹ۔۔۔ ایک چھوٹی سی
بچی کے ساتھ تم سے گھر نہیں سنبھالا جا رہا۔۔۔ نہ پہننے
کو کپڑے ملتے ہیں نہ کھانے کو کھانا۔۔۔ ذہنی سکون ہی
نہیں تم دے سکتیں تو اور کیا دو گی۔"

پرفیوم کی بوتل اٹھا کر اس نے شیشے پر دے ماری۔
بریف کیس اٹھا کر ایک ہاتھ اس نے خون بہنے کی جگہ
پر رکھا اور کڑی نظروں سے اسے گھورتا باہر نکل گیا۔
غصے کے اس مظاہرے پر دعا مزید چیخ چیخ کر رونے لگی
تھی۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ٹشو سے ماتھا صاف کیا اور
کچھ دیر زخم کو دبا کر رکھا۔ تھوڑی ہی دیر میں خون تو
رک گیا تھا لیکن نسبتاً کم گہرا زخم ماتھے پر واضح نظر
آرہا تھا۔ اسے ہمیشہ سے غصہ بہت آتا تھا لیکن وہ اس
طرح اظہار نہیں کرتا تھا۔

صدف اس کے غصے کا ہی نتیجہ تھی۔ امی اس کی
شادی صدف سے کرنا چاہتی تھیں اور سوئے قسمت
انہوں نے ایک بار اس خواہش کا اظہار نبیل کے
سامنے بھی کیا تھا۔ پھر اللہ نے انہیں اس خواہش کے
پورا ہونے تک مہلت نہیں دی۔ امی کی وفات کے
بعد اسے پتا چلا کہ پاپا اس کے لیے رشتہ دیکھ رہے ہیں یا
دیکھ چکے ہیں۔

وہ جانتا تھا پاپا امی کے خاندان میں اس کا رشتہ نہیں
کرنا چاہتے۔ اسی ضد میں اس نے کسی جھجک کے بغیر
دو ٹوک انداز میں صدف کا نام لے دیا۔ مرحومہ ماں کی
خواہش کا احترام اپنی جگہ لیکن وہ پاپا کو زک پہنچا کر اپنی
تسکین چاہتا تھا۔

digest novels lovers group

جس شخص نے اس کی مشفق ماں کو تادم آخر اذیت میں مبتلا رکھا وہ کیسے اس کا فرماں بردار بن جاتا۔ یہ الگ بات کہ پاپا کو دکھ دینے کے چکر میں وہ اپنی زندگی برباد کر بیٹھا تھا۔ صدف نامی مسلسل عذاب کو پلے باندھ کر اپنی خوشیاں گنوا بیٹھا تھا۔

لنچ ٹائم میں شہریار نے پارکنگ میں آکر اسے کال کی تو چاروناچار اسے بھی آفس سے نکلنا پڑا۔ آفس کے قریبی مال میں فوڈ کورٹ میں کھانا آرڈر کر کے شہری نے اس سے زخم کے بارے میں پوچھا یہ اور بات کہ اس کا انداز زور اوکھرا تھا۔

"نبیل یار! تیرے دل و جگر کے زخم اب تیرے جسم پر پھوڑے بن کر نکلنے لگے ہیں ان کا کچھ علاج کر۔" اتنا مہذب انداز۔۔۔ نبیل دانت پیس کر رہ گیا۔

"اوہ۔۔۔ کہیں بھابھی پہلوان کے ساتھ اکھاڑے میں ملاقات تو نہیں ہوگئی تھی؟" اس کی خاموشی پر وہ اسے اکسا رہا تھا کہ وہ کچھ کہہ سن کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلے۔

"یار! میں تیرا پکا والا دوست ہوں، تو آج اس زخم کی کہانی کہہ ڈال۔"

وہ اک نئے جوش سے بولا تو نبیل کو بھی چپ کا روزہ توڑنا پڑا۔ جانتا تھا جب تک جواب اور وہ بھی شیری کی مرضی کا، نہ دیا تو اس کی بک بک ٹرین یوں ہی چلتی رہے گی۔ مختصراً اس نے صبح والی روداد کہہ ڈالی۔

"ویسے یار اک حل ہے میرے پاس تیری غلطی سدھارنے کا۔" ساری بات سن کر اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تو دوسری شادی کرلے۔"

اس کے کمینے مشورے پر نبیل کو بری طرح اچھو لگا تھا۔

"لگتا ہے میرے مشورے کی طرح یہ پانی بھی تجھے ہضم نہیں ہوا۔"

"مجھے مشورہ دینے کے بجائے خود پر توجہ دے۔ شادی کی عمر نکلی جارہی ہے تیری۔" ٹشو سے منہ پونچھ کر اس نے کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہائے۔۔۔" شیری نے اک ٹھنڈی آہ بھری۔ "مجھے تو حسرت ہی رہی کب میری ماں کے اکلوتے بیٹے کے سہرے کے پھول کھلیں گے۔" اس کی مسکینیت پر نبیل کو ہنسی آگئی۔

"کیوں؟ آپ کی والدہ محترمہ کو آپ کے سہرے میں لگانے والے پھول نہیں مل رہے۔" وہ شرارتی ہوا۔

"ارے یار! میں تو بغیر پھولوں، بغیر سہرے کے بھی بارات لے جاؤں اگر لڑکی اور امی کی اجازت مل جائے۔" دونوں کا مشترکہ قہقہہ گونجا۔

"اور وہ تمہاری شمائل۔۔۔ اس کا کیا بنا؟" نبیل نے پوچھا۔

"میری شمائل کہاں سے آگئی؟" اس نے نظریں ترچھی کر کے نبیل کی طرف دیکھا۔ "مجھے وہ پسند ہے۔ کسی بھی باشعور شخص کو وہ پسند آسکتی ہے۔ خوب صورت ہے۔ ذہین ہے، باوقار، باحیا ہے۔ اس میں ہر وہ خوبی ہے جو کوئی شخص اپنی بیوی، بیٹی میں دیکھنا چاہے گا۔ آؤٹ آف فیملی ہے تو امی مانیں گی نہیں ورنہ اس سے اچھی لڑکی کوئی نہیں ہوسکتی۔"

تفصیل سے جواب دے کر وہ اس کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا جو ویٹر ابھی ابھی رکھ کر کے گیا تھا۔ تائید میں سر ہلا کر نبیل بھی کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا اور اب بھوک سے انتڑیاں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"حوریہ بیٹا!"

"جی پاپا!" اس نے سر پر اوڑھے ہوئے دوپٹے کو مزید کس کر باندھا۔

"میں ذرا مارکیٹ تک جارہا ہوں۔ کچھ چاہیے تمہیں۔"

"نہیں پاپا!" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ پاپا کے چہرے پر پھیلی مایوسی مزید بڑھ گئی تھی۔

"میں۔۔۔ ساتھ چلوں۔" کچھ سوچتے ہوئے اس نے پاپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں۔ ہاں چلو۔۔۔ تم خود ہی۔ جو چاہیے‘ جو دل چاہے اپنی مرضی سے لے لینا۔" وہ ایک دم پرجوش ہوئے تھے۔ حوریہ کو لگا ان کی جھریوں میں جیسے کسی آس کا جگنو چمکا ہے۔

شاپنگ کے لیے وہ قریبی شاپنگ مال میں آئے تھے۔ پاپا ہر چھوٹی چھوٹی چیز کے لیے اس سے مشورہ مانگ رہے تھے۔ بے دلی سے ہوں ہاں کرتے وہ ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی اس طرح غائب دماغی محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ریکس میں پڑی اشیاء میں سے خود ہی مطلوبہ چیزیں نکالنا شروع کردیں۔

"حوریہ! ایسا کرو تم اپنے لیے جو لینا چاہو لے لو۔ میں یہ لسٹ والا سامان لے لیتا ہوں۔" ان کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ تھی۔

حوریہ ان سے نظر بچا کر الیکٹرونکس پورشن میں چلی گئی۔ جلدی سے ایک قدرے سستا موبائل خریدا اور پاپا کے علم میں لائے بغیر اپنے ذاتی پیسوں میں سے بل کلیئر کروا کر واش رومز کی طرف چلی گئی۔ جلدی سے ڈبا کھول کر اس نے فون نکالا اور بیگ میں ڈال کر ڈبا وہیں چھوڑ دیا۔ چہرے کو پانی سے تر کرکے وہ باہر آگئی۔ اس کا دل اس چوری پر بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اگر پاپا‘ سعد بھائی یا نبیل۔۔۔ یا پھر مومنہ بھابھی یا صدف۔۔۔ کسی کو بھی اس موبائل کا علم ہو جاتا تو؟

اس مختصر سے دورانیے کی سوچ نے رگوں میں اس کا لہو منجمد کرنا شروع کر دیا تھا لیکن انجام سے بے پروا ہو کر اس نے یہ قدم اٹھایا تھا۔

واپسی پر اسے خالی ہاتھ دیکھ کر پاپا کو یقیناً" خوشی نہیں ہوئی تھی لیکن وہ مطمئن تھے کہ وہ ان کے ساتھ آئی تو سہی اور حوریہ اس بات پر مطمئن تھی کہ جس کام سے وہ آئی تھی۔ وہ بنا کسی مشکل کے ہو گیا تھا۔ گھر آکر اس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر پرانی سم نکالی اور موبائل میں ڈال کر موبائل آن کیا۔ اسکرین روشن ہوتے ہی اس نے سم میں محفوظ دو نمبروں میں سے ایک نمبر ملایا۔

☆ ☆ ☆

آج چھٹی تھی۔ سو وہ دیر سے سو کر اٹھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ صدف بھی ابھی تک سو رہی ہوگی۔ لیکن جب اس نے کروٹ بدلی تو حیران رہ گیا۔ اورنج اور گرین امتزاج کے بے حد فٹنگ والے سوٹ میں ملبوس وہ دعا کو گود میں اٹھائے ادھر سے ادھر پھرتے ہوئے کمرے کا پھیلاوا سمیٹنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔

"چلو شکر میری ناراضی کی تھوڑی پروا تو ہے۔"

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

مندی مندی آنکھوں سے دیکھتے وہ دل ہی دل میں خوش ہوا تھا۔ جس دن سے اس کا ماتھا زخمی ہوا تھا۔ اس نے گھر پر کھانا پینا اور صدف سے بات کرنا چھوڑ رکھا تھا۔ تھوڑی دیر یوں ہی لیٹے رہنے کے بعد وہ نہانے کے لیے چلا گیا تو صدف نے پچکارنے کے انداز میں دعا کو بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی اپنا بے ہنگم وجود لے کر دھم سے بیڈ پر گر گئی۔

"کس عذاب میں پھنسا دیا مومنہ بھابھی آپ نے مجھے۔" اس نے کوفت سے سوچا۔

اصل میں ہوا یوں کہ کل شام وہ یوں ہی مومنہ بھابھی کے پاس چلی گئی۔ انہوں نے شاید نبیل کی ناراضی نوٹس کی تھی' سو اسے گھر گرہستی اور شوہر کے حقوق پر لیکچر دینے بیٹھ گئیں۔ جذباتی ہو کر اس نے خود ساختہ مجبوریوں کی کتھا کہہ سنائی۔ تحمل سے اس کی بات سن کر انہوں نے نبیل کا مزاج مدنظر رکھ کر اسے کچھ ٹپس یا مشورے دیے تھے۔ اور وہ ان کے پہلے مشورے پر ہی عمل کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

چھ سات ماہ کی بچی کے ساتھ اپنے پورے پورشن کی تفصیلی صفائی اسے عذاب نظر آ رہی تھی۔ ایک کمرے کا پھیلاوا سمیٹنے میں ہی وہ ہلکان ہو گئی تھی۔

"یہ سب تو میرے بس کا کام نہیں۔ بھابھی سے کہوں گی کوئی اور حل بتائیں۔" یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ یوں بھی نبیل کا موڈ آج کافی اچھا تھا سو یہ ایک بھرپور دن تھا۔ شام کو نبیل نے اسے باہر ڈنر کا کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"نہیں دعا مائنڈ کرے گی باہر جا کر۔" جانے کس طرح اس نے انکار کیا تھا حالانکہ بہت دل چاہ رہا تھا کسی اچھے ریسٹورنٹ کا کھانا کھانے کو۔

"اگر مائنڈ نہ کریں تو اسے بھابھی کے پاس چھوڑ دوں؟ یوں بھی اس کے سونے کے وقت ہی تو ہم جائیں گے۔" ڈرتے ڈرتے اس نے حل پیش کیا۔

"ہاں پوچھ لو اگر وہ ایزی ہو کر رکھ لیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے خوش دلی سے جواب دیا تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ ہاں یہ اس نے جھوٹ بولا تھا کہ دعا جلدی سو جائے گی۔ اصل میں وہ بے حد چڑچڑی بچی تھی۔ ماں کی گود میں بمشکل چپ ہوتی تھی اور مومنہ بھابھی کو تو یقیناً" اس نے نچا دینا تھا۔ لیکن خود غرضی سے سوچتے ہوئے وہ یہ پہلو نظر انداز کر گئی تھی۔

حسب توقع بھابھی نے مومنہ کو رکھ لیا تھا۔ شاکنگ پنک کلر کی فراک میں وہ عجوبہ ہی لگ رہی تھی۔ بے ڈول جسم پر فراک عجیب لگ رہی تھی۔ جھوٹے موتیوں کا سیٹ پہن کر اس نے شاکنگ ہی میک اپ کیا اور جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ہر ہر زاویے سے خود کو دیکھا اور دل کھول کر سراہا۔

جب نبیل پورچ سے گاڑی نکال رہا تھا تو اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ ایسے تیار تھی جیسے کسی شادی میں جانا ہو' ہیوی جیولری اور گھرا میک اپ۔ "جہالت کی انتہا ہے۔" اس نے کلس کر سوچا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔

اس کا رک کر دیکھنا صدف نے بھی نوٹس کیا تھا۔

"اف۔۔۔ آج میں واقعی بہت خوب صورت لگ رہی ہوں تب ہی تو نبیل بھی نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔" اس نے مسرور ہو کر سوچا۔

بے دلی سے نبیل اسے درمیانے درجے کے ایسے ریستوران میں لے گیا جہاں کسی کے ملنے کا امکان نہیں تھا لیکن براہو بشیری کا جو بوتل کے جن کی طرح پھر حاضر ہو گیا تھا۔ اس طرح معنی خیزی سے دیکھ رہا تھا جیسے ڈیٹ مارتے پکڑ لیا ہو۔

کھانا کھا کر جب وہ واپس پہنچے تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ نبیل گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے اندر چلا گیا تو وہ دعا کو لینے مومنہ بھابھی کے پاس آ گئی۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی' جب اس نے دعا کو پرسکون سوتے ہوئے دیکھا۔

"بھابھی یہ۔۔۔ کیسے سو گئی آپ کے پاس؟" وہ

پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
"محبت کے جادو سے۔" وہ مسکرائیں۔
"کمال ہے ویسے۔۔۔ میں تو سوچ رہی تھی آپ کو خوب تنگ کر رہی ہوگی۔"
"نہیں تو۔۔۔ تھوڑا بہت تو بچہ تنگ کرتا ہی ہے' ویسے بھی حوریہ کے پاس تو جادو ہے۔۔۔" غلطی کا حساس ہوتے ہی وہ خاموش ہوگئی تھیں۔
"حوریہ۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔
"سوری۔" وہ بلاوجہ شرمسار ہوئیں۔ نبیل کی حوریہ سے چڑ وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔
"کوئی بات نہیں۔۔۔ بھابھی! میں حیران ہوں دعا میرے بغیر کیسے سو گئی؟"
"حوریہ کے پاس تو کھیلتی بھی رہی ہے پھر اس نے کھانا کھلا کر سلا دیا۔" اس کے عام ردعمل پر انہوں نے پرجوش ہو کر بتایا۔
"واقعی؟" وہ اور حیران ہوئی تھی۔
"ہاں ناں۔۔۔"
"بھابھی! حوریہ سے کہیں روز تھوڑا وقت میرے س آجایا کرے۔ دعا بہل جائے تو میں آسانی سے ارا کام نمٹا لیا کروں گی۔"
"ارے' وہ آجائے گی' میں کہوں گی اس سے' بلکہ ر تم کہو تو وہ کام میں بھی تمہاری مدد کروا دیا کرے گی۔ ت اچھی بچی ہے۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔" بھابھی نے خوش ہو کر بتایا۔
وہ سن کر خوش ہوگئی تھی۔ بے دام غلام جو ملنے والی ی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔۔۔" ایئرپیس سے احمد کی آواز ابھری۔
"میں بات کر رہی ہوں۔"
"میں کون؟"
"میں۔۔۔ حوریہ۔۔۔ حوریہ بات کر رہی ہوں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔
"کون حوریہ؟ آسمانی حور؟" اس کے پھکڑ مذاق پر وہ کھول کر رہ گئی۔
"ٹھیک ہے اگر نہیں پہچانتا تو تمہاری مرضی۔ اتنی مشکل سے تو کال کی ہے۔" اس نے مصنوعی غصہ دکھایا۔
"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ تم ہو۔ مجھے تمہارا نام ہی نہیں پتا تھا۔۔۔ اور کیسی ہو؟" اس کی دھمکی کام کر گئی تھی۔
"نام نہیں پتا تھا تو کیا آواز بھی نہیں پہچان سکتے تھے؟"
"وہ تو ہزاروں میں بھی پہچان سکتا ہوں میری جان۔" اس طرز تخاطب پر وہ سر تا پا سلگ گئی تھی لیکن ظاہر نہیں کیا۔
"ویسے یہ نمبر کس کا ہے؟"
"گھر کا نمبر ہے۔۔۔ اب خود کال مت ملانے بیٹھ جانا۔"
"جب تم بیل کرو گی تب ہی کال کروں گا میری جان!" لوفرانہ انداز میں بار بار جان کہہ کر وہ اس کی جان جلا رہا تھا۔
"تم مجھے کچھ اور کہہ کر نہیں بلا سکتے؟"
"اور کیا کہوں؟ میرا جان کہنا برا لگا؟"
"نہیں لیکن۔۔۔ اتنا اچھا بھی نہیں لگا۔ پتا نہیں کس کس کو کہتے ہوگے۔ میرے لیے کچھ اسپیشل ہونا چاہیے ناں؟" اس کی لاڈ بھری فرمائش پر وہ خوشی سے لوٹ پوٹ ہوگیا۔
"میں ہر کسی کو جان نہیں کہتا پھر بھی تمہاری خاطر تمہیں کچھ اور کہہ لوں گا۔" میری حور "ٹھیک رہے گا؟"
"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اس پر احسان جتاتے ناز سے اس نے "اوکے" کہا تھا۔ "اچھا میں گھر کے نمبر پر زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ ابھی پاپا یا بھائی آجائیں گے۔"
"اوہو۔۔۔ میری حور جی صرف تھوڑے دن انتظار کر لو۔ ایک زبردست ڈبا پیک نیا موبائل دیکھا ہوا ہے میں نے اپنی حور کے لیے۔ بس تنخواہ ملتے ہی اپنی حور پہ وار دوں گا۔"
لفنگے انداز میں وہ بار بار میری حور کی گردان کر رہا

تھا۔ وہ شکر کررہی تھی کہ "میری جان" سے تو جان چھوٹی۔ جان بوجھ کر جلدی مچاتے اس نے فون بند کردیا تھا۔ فون بیڈ پر اچھال کر وہ باآواز بلند "ایسا لگتا ہے میں ہواؤں میں ہوں۔" گنگنانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"اور سرکار۔۔۔ کدھر گم رہتے ہیں؟ غریب مریدوں کو بھی درشن دے دیا کریں۔" شیری دھپ سے صوفے پر گرا۔ فائل سے نظریں ہٹا کر اس نے اس کی طرف دیکھا اور پھر فائل بند کردی۔ شیری کی موجودگی میں کام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"کوئی گم نہیں ہیں۔۔۔ روز ادھر اسی آفس میں جھک مارنے آتا ہوں اور مقرر وقت پر نکل جاتا ہوں۔۔۔ اب بتاؤ کیا منگواؤں؟"

"اچھا۔۔۔ گرل فرینڈ کے ساتھ ڈیٹس رستوران میں اور ہمیں ادھر سے ٹرخایا جارہا ہے۔ ویسے نبیل مجھے اندازہ نہیں تھا تمہارا ذوق اتنا بے ہودہ ہوسکتا ہے۔ چربی کی دکان پر ڈھیروں میک اپ، زیور لاد کر کیسے اس اسٹرابیری آئس کریم کو لے کر گھوم رہے تھے۔ تمہیں یہ بھی خیال نہیں آیا کہ لوگ کیا کہیں گے؟" مسکراہٹ دبا کر اس نے شرارت سے کہا۔ نبیل کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

"وہ۔۔۔ صدف تھی۔" شیری کے ہونٹوں سے مسکراہٹ ایک سیکنڈ میں غائب ہوئی تھی۔

"آئم سوری۔" شرمندگی کے مارے اس سے بولا نہیں جارہا تھا۔ وہ سمجھا، شاید نبیل کی کوئی کزن ہوگی ورنہ وہ جانتا تھا نبیل ڈیٹنگ بوائے نہیں۔ نبیل کی شادی میں وہ شریک نہیں ہوسکا تھا ورنہ صدف کے بارے میں اس طرح اظہار خیال نہ کرتا۔

"کچھ غلط نہیں کیا تم نے۔ میں جان بوجھ کر اسے اس تھرڈ کلاس ریسٹورنٹ میں لے کر گیا تھا کہ کہیں کوئی جاننے والا نہ مل جائے۔ مجھے کیا خبر تھی تم ادھر بھی پہنچ جاؤ گے۔" زبردستی لہجے میں بشاشت سمو کر اس نے کہا تھا لیکن شیری کے چہرے پر ابھی بھی ڈھیروں شرمندگی بکھری تھی۔

"پھر بھی یار۔۔۔ مجھے بھابھی کے بارے میں ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔۔۔ مجھے لگا، تمہاری کوئی کزن ہے۔ تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔۔۔" جان بوجھ کر اس نے بات ادھوری چھوڑی۔ چاہے اس نے صدف کے پھوہڑپن کے ہزار قصے اس کے گوش گزار کیے ہوں۔ شکل و صورت کے حوالے سے اس نے کبھی شہری سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اسے شکل و صورت سے غرض تھی بھی نہیں۔ اگر ہوتی تو خالہ کی قبول صورت، عام سی شکل والی صدف کو کیوں بیاہتا۔

شادی کے فوراً" بعد دعا ہونے والی ہوگئی پھر صدف کی آرام طلبی اور کام چوری کی وجہ سے وہ مسلسل پھیلتی چلی گئی۔ اسی لیے مختصر سے عرصے میں وہ واقعی گوشت کا پہاڑ بنتی جارہی تھی۔

"اچھا چھوڑو۔۔۔ تم شمائل کا سناؤ۔" اس نے بات پلٹی۔

"ہاں یار، پچھلے کچھ عرصے میں بہت مصروف رہا اس لیے اس سے بات نہیں ہوسکی۔ تازہ ترین یہ کہ اس کی ماں کی فوت ہوگئی ہے اس کا سوتیلا باپ اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ ویری سیڈ۔" اسے حقیقتاً" افسوس ہوا تھا۔ سوتیلے رشتوں کا ذائقہ تو اس نے بھی چکھ رکھا تھا۔

"سیڈ تو واقعی ہے۔ فیلنگ بیڈ فار ہر۔۔۔ پتا نہیں کیسے لوگ ہوں گے۔ بہت خاموش خاموش لگ رہی تھی۔"

"تم ملے اس سے؟" بات بڑھانے کی غرض سے اس نے پوچھا۔

"ہاں کچھ بکس خریدنے آئی ہوئی تھی تو بائی چانس ملاقات ہوگئی۔ فون پر بھی بات ہوئی تھی۔ مجھے تو بہت پریشان لگ رہی تھی، اوپر سے اس کی انوکھی فرمائش نے الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔"

"کیسی فرمائش؟"

"وہ کہہ رہی تھی۔ کوئی ایسا شخص ہو جو اس سے

ی شادی کرلے اور پھر اس کے سوتیلے باپ سے کرکے رخصتی کروالے۔ وہ ہاسٹل شفٹ ہونا چاہ ہے۔ اس کا کام بن جائے پھر شادی ختم۔" اس اطمینان سے بتایا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دلچسپی ر مجبور ہو گیا تھا۔

"کیا پاگل ہو گئے ہو تم دونوں؟ اس طرح نہیں ہوتا ے۔"

"پتا ہے مجھے بھی۔۔۔ لیکن وہ لڑکی ہے اور لڑکی کتنی عقل مند کیوں نہ ہو احمق ہی ہوتی ہے۔ وہ بھی تھوڑی سی۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بھلا ایسا شخص کہاں سے ملے گا جو اس کی مرضی شادی کرے اور پھر اسے آزاد کردے۔"

"مجھے کیا پتا۔۔۔ میں نے کون سا دکان کھولی ہے۔" نے مذاق میں بات اڑائی۔

"لیکن یار! یہ بھی حقیقت ہے کہ میں چاہ کر بھی کی کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتا۔ پتا نہیں کن ت سے لڑ رہی ہوگی۔ سوتیلے رشتے بڑے ظالم تے ہیں۔ اگر اس کے باپ کی بیٹیاں ہوئیں تو اس نا حرام ہو گیا ہوگا۔ نہ بھی ہوئیں تو سوتیلی ماں ہی ہوگی۔"

شیری کے تبصرے نے اس کے دل پر اداسی طاری ی تھی۔ سوتیلی ماں۔۔۔ ماں کے ساتھ لگا یہ لفظ کتنا ف دہ ہے یہ وہ بخوبی جانتا تھا۔ گو کہ کبھی وہ اس ماں رحم و کرم پر نہیں رہا پھر بھی وہ جانتا تھا۔ اسے ں سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ "بے چاری تو سوتیلے رشتوں میں پھنس کر رہ گئی۔ لڑکا ہوتی تو ان کے آسرے پر نہ پڑی ہوتی۔ آئی وش ہم اس چھ مدد کر سکیں۔" اس نے دل سے کہا۔ شیری ایک پھل پڑا۔

"اوہ۔۔۔ پتا نہیں پہلے میرے ذہن میں یہ خیال ں نہیں آیا۔" وہ پرجوش ہو کر بولا۔

"کیسا خیال؟" اس نے پوچھا اور پھر شیری کے ب نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ "تم وقتی طور پر اس سے ح کرلو۔ بعد میں طلاق دے دینا۔"

"کیا بکواس ہے یار۔۔۔ اگر میں تمہیں اپنی پرسنل لائف میں انوالو کرتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم کچھ بھی کہو۔"

"ایک منٹ یار۔۔۔ ڈونٹ گیٹ ایموشنل۔۔۔ دیکھو۔۔۔ صرف ایک کاغذی رشتہ ہے۔ تم اس کے گھر چلے جانا اور کسی جھنجھٹ میں پڑے بغیر اسے ساتھ لے آنا۔ مجھے یقین ہے وہ لوگ سستے میں جان چھوٹ جانے پر شکر ادا کریں گے۔ وہ ہاسٹل چلی جائے گی اور کاغذی رشتہ بھی ختم۔" اس نے تحمل سے ساری بات سنی۔

"اور پھر وہ کہاں جائے گی؟ میرا مطلب ساری زندگی ہاسٹل میں تو نہیں نہ رہ سکتی؟"

"اوہ یار۔۔۔ وہ سمجھ دار ہے کچھ نہ کچھ تو سوچ رکھا ہوگا اس نے۔ اور ہم ساری زندگی تو اس کا ساتھ نہیں دے سکتے ناں۔ تم آل ریڈی میرڈ ہو اور میں بھی بچپن سے انگیج ہوں۔ نیکی کر کے دریا میں ڈال دیں گے۔ سوچیں پالنے کی ضرورت نہیں۔"

اسے شیری پر رشک آیا تھا جو چھوٹی بڑی کسی بات کی پروا نہیں کرتا تھا بلکہ بڑے سے بڑے مسئلے کو چٹکیوں میں اڑا دیتا تھا۔ اتنا بڑا معاملہ اور اس کا اتنا عام انداز۔۔۔ وہ حیران تھا۔

"تم کوئی اور دیکھ لو یار۔ میں پہلے ہی اتنا ڈپریسڈ ہوں اوپر سے تم مجھے ٹینشن دے رہے ہو۔" اس کے لہجے سے رضامندی کی مہک اٹھ رہی تھی۔ اور پھر شیری نے آفس سے اٹھنے سے پہلے اسے شائل سے کاغذی شادی کے لیے رضامند کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر پہنچتے ہی خوش گوار سی حیرت نے اسے گھیر لیا۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے باہر نکلا تو جیسے ہر منظر نکھرا ہو گیا تھا۔ گملے ایک ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ فرش دھلا ہوا بے داغ تھا۔ لان میں کرسیاں بھی سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ درختوں کے اکا دکا پتے گھاس پر نظر آ رہے تھے ورنہ تو ان پتوں سے ساری گھاس ڈھکی

digest novels lovers group

ہوتی تھی۔ کافی عرصے بعد ایسا خوب صورت منظر دیکھا تھا۔ ابھی تو اس کی حیرت کے اور بھی سامان تھے۔ اندر داخل ہوا تو لاؤنج میں بھی ہر چیز اپنے ٹھکانے پر نظر آئی۔ صوفوں اور ڈیکوریشن پیسز پر اک عرصے سے جو دھول جمی ہوئی تھی۔ وہ بھی صاف کی جاچکی تھی۔ کشنز بڑے سلیقے سے رکھے تھے۔ اس کی ساری تھکاوٹ کافور ہوگئی تھی۔ وہ خود کو بڑا تر و تازہ محسوس کررہا تھا۔ "تو صدف بی بی خیال آ ہی گیا تمہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ کمرے میں گیا تو ادھر بھی اسی طرح طریقہ سلیقہ نظر آرہا تھا۔ صدف بھی رائل بلو بے حد فٹنگ والے سوٹ میں تیار بیٹھی ہوئی تھی۔ شادی کے شروع دنوں میں وہ اس کے آنے پر یوں ہی تیار ہوتی تھی۔ جانے آج کیسے یاد آگیا تھا اسے۔ نبیل کو دیکھتے ہی ریموٹ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم۔۔۔ اتنے لیٹ آج؟" اس کے ہاتھ سے بریف کیس لیتے ہوئے اس نے کہا۔ نبیل کہہ نہیں سکا کہ اب تو اک عرصے سے وہ اسی وقت آرہا ہے۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کام کچھ زیادہ تھا آج اور پھر شہریار کے ساتھ ڈنر کے لیے چلا گیا تھا۔" کوٹ اتارتے ہوئے اس نے کہا تو صدف کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"میں آپ کے انتظار میں تھی اور آپ کھانا باہر کھا آئے۔" پانی کا گلاس دیتے ہوئے اس نے ہلکا سا شکوہ کیا۔ نبیل ایک لمحے کو حیران ہوا تھا۔ "یا اللہ خیر۔" اتنے طویل وقت کے بعد وہ اس کے آنے کا انتظار کررہی تھی وہ بھی کھانے کے لیے۔۔۔ ورنہ تو وہ فون کردیتی تھی "آتے ہوئے کچھ لے آئیے گا۔ طبیعت نہیں ٹھیک تو کھانا نہیں بنایا۔"

"اوہ سوری۔۔۔ چلو کل سہی۔" اس نے بشاشت سے جواب دیا۔ "دعا کہاں ہے؟"

"وہ بھابھی کے پاس ہے۔۔۔ میں نے نہانا تھا تو ان کو پکڑا آئی تھی۔" بڑے عرصے بعد اسے گھر میں سکون محسوس ہوا تھا۔ ورنہ امی کے بعد تو یہ سلیقہ دیکھا ہی نہیں تھا اس نے۔ شادی کے بعد کچھ عرصہ آنے جانے میں نکل گیا۔ پھر دعا ہونے والی ہوگئی تو صدف سے کام کیا نہیں جاتا تھا۔ دعا ہوئی تو صدف سے وہی نہیں سنبھالی جاتی تھی۔ کام تو وہ کیا ہی کرتی۔ نبیل نے تو خود کو سمجھالیا تھا کہ یہ زندگی اب یوں ہی گزرے گی لیکن اب تو واضح تبدیلی آئی تھی۔

نبیل کافی دیر تک دعا سے کھیلتا رہا پھر وہ سوگئی تو صدف سے باتیں کرنے لگا۔ بہت پرسکون اور خوش تھا وہ آج۔ بہت وقت کے بعد اسے ایسی اچھی نیند آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"حوریہ! میں ذرا دعا کو سلادوں تم ادھر سے صفائی رہنے دو۔ کچن صاف کردو' میں ابھی آتی ہوں پھر مل کر کھانا بنالیں گے۔" صدف نے روتی ہوئی دعا کو گلے سے لگایا۔ حوریہ جو لاؤنج میں جھاڑ پونچھ کررہی تھی "جی بھابھی" کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بھابھی آج پکانا کیا ہے؟ جتنی دیر کچن میں رہوں گی ککنگ کا کام بھی ساتھ کرتی رہوں گی۔"

"وہ۔۔۔ نہاری اور مٹن پلاؤ باقی رائتہ' سلاد تو ہوتا ہی ہے۔ گوشت فریزر میں رکھا ہوا ہے۔ نکال کر رکھ دینا باقی میں آتی ہوں تو دیکھتی ہوں۔"

صدف چلی گئی تو حوریہ نے کچن میں جاکر فریزر سے گوشت نکالا۔ پگھلنے کے لیے رکھ کر واپس آگئی۔ باہر کا سارا کام نمٹا کر وہ کچن میں چلی گئی۔ اسے کل جتنی محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ کل تو بے تحاشا گند نکالا تھا اس نے۔ آج تو سب صاف تھا۔ کچن میں جاتے ہی اس نے نہاری پکنے رکھ دی ور پھر مسالوں کے ڈبے' برتن اور کنستر میں رکھی اشیاء نکال کر کنستر صاف کیے۔ سارے برتن دھو کر سلیقے سے انہیں مناسب جگہوں پر رکھا۔ ڈنر سیٹ کی ٹوٹی ہوئی پلیٹیں اور کٹوریاں کیبنز میں یوں ہی بکھری پڑی تھیں۔ انہیں نکال کر علیحدہ کیا۔ جو برتن عرصہ دراز سے استعمال میں نہیں

ہیں بھی دھو کر رکھا۔ مکڑی کے جالے جگہ جگہ
ہوئے تھے وہ صاف کیے۔ پلیٹیں ترتیب سے
یں رکھیں۔
نی محنت کے بعد کچن کا حلیہ درست ہوا تھا۔ جو
یں اس کے آنے سے پہلے پھیلی ہوئی تھی اس
شائبہ بھی نہیں تھا۔ وہ فرش جو جی بھر کر داغدار
ب چمک رہا تھا سب کام سے فارغ ہو کر وہ چولہے
اس آگئی۔ گھر میں وہ دو نفوس ہی تھے پھر بھی
پکانے سے جی چراتی تھی۔ جب وہ نیند پوری کر
آئی تو نہ صرف کچن چمک رہا تھا بلکہ اشتہا انگیز
و بھی کچن سے نکل کر سارے میں پھیل رہی
۔

"آج پھر میں سو گئی تھی۔" کچن میں داخل ہوتے
ئے اس نے کہا۔
"کوئی بات نہیں بھابھی!"
اس نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ نہاری اور پلاؤ تیار
۔ رائتہ وہ بنا رہی تھی۔ سلاد بھی بن چکا تھا۔ اس کی
یں نہیں آیا کہ وہ ادھر کھڑی رہے یا چلی جائے۔
"تم نے تو سارا کچھ خود ہی کر لیا۔" اس کے لہجے
ستائش تھی۔ وہ تو اتنے سے کام میں مہینہ لگا دیتی۔
جا اب تم جلدی سے چلی جاؤ' نبیل آنے ہی والا
ا۔" نبیل کے آنے میں ابھی بہت وقت تھا پھر بھی
نے جھوٹ بول کر اسے بھیج دیا۔ نہا کر اس نے
ن شلوار قمیض پہنی اور تیار ہونے لگی۔
کھانے کی میز پہ نبیل حیران رہ گیا۔ صدف ایک دم
سگھڑ لگنے لگی تھی۔ شادی کے بعد آج پہلی بار
ے ایسا کھانا نصیب ہوا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانے کے
اس نے جی بھر کے تعریف بھی کی تھی۔ رات
نے سے پہلے اس نے صدف کے سدھر جانے پر
رانے کے نوافل بھی ادا کیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو جی۔۔۔ ایک بار پھر آپ شادی شدہ
گئے۔" نکاح نامے کے پیپرز پر دستخط کروا کر اس نے
فوراً" پیپرز تہ کر کے پاکٹ میں ڈال لیے اور نبیل کو
چھیڑنے لگا۔
"بکواس مت کر' تجھے بھی پتا ہے یہ صرف ایک
بھلائی اور نیکی ہے۔" اس نے منہ بنایا۔
"نیکیاں گلے بھی پڑ جایا کرتی ہیں۔" وہ پھر باز نہیں
آیا۔ نبیل ایک دم پریشان ہو گیا۔ اگر سچ میں ایسا کچھ
ہو گیا تو۔۔۔ اس سوچ نے اس کو بے جان کر دیا تھا۔
"کیا ہوا یار! مذاق کر رہا ہوں۔ وہ ایسی لڑکی نہیں
ہے۔ حق مہر بھی پانچ ہزار لکھا ہے۔ نکاح نامہ بھی
ہمارے ہی پاس ہے اور اس کے سوتیلے رشتے دار۔"
"نہیں شیری۔" اس نے بات کاٹی۔ "ہم اللہ کے
بنائے قوانین کا مذاق بنانے چلے ہیں اگر کچھ ہو ہوا گیا تو
کیا ہو گا؟ صدف ویسی بن گئی ہے جیسی میں چاہتا تھا کہ
وہ بن جائے۔ گھر سنبھالنے والی' پھر میری بیٹی بھی ہے۔
اوہ خدا مجھ سے کیا ہو گیا۔ کہیں میں زیادتی تو نہیں کر
بیٹھا؟" اس کی پریشانی دیکھ کر شیری بھی چپ رہ گیا
تھا۔
"او یار! کیوں ٹینس ہو رہا ہے۔ کسی کو کچھ پتا نہیں
چلے گا جب تک ہم تینوں میں سے کوئی یہ بات نہیں
کھولے گا۔"
ہمت کر کے اس نے نبیل کو تسلی دی۔ نبیل گم صم
رہ گیا۔ پچھلے کچھ دنوں سے صدف نے جس طرح
سب سنبھالا ہوا تھا اس کے بعد اس کی صدف سے
ساری شکایتیں ختم ہو گئی تھیں۔ یہ ٹھیک تھا کہ اسے
صدف کے پہناوے اور اطوار سے ابھی بھی چڑ تھی پھر
بھی یہ کوئی ایسی وجہ نہیں تھی جس کی وجہ اسے اتنی
بڑی سزا دیتا۔
کہنے کو یہ صرف دستخط تھے جو اس نے ان کاغذات
پر کیے تھے۔ درحقیقت یہ ایک رشتہ تھا جو اس نے اپنی
رضا سے قائم کیا تھا۔ شمائل' شہریار کی پسند اور اس کی
ایسی نیکی بننے جا رہی تھی جس نے آغاز میں ہی احساس
جرم سے اس کے کندھے جھکا دیے تھے۔ اسے عجیب
سے احساسات نے گھیر لیا تھا۔ اس کے اعصاب چیخ
رہے تھے۔ سوچوں کے دہکتے الاؤ نے دوپہر ہونے تک

اس کا وجود جلانا شروع کردیا تھا۔ پی اے کو بتا کر وہ آفس سے گھر کے لیے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا اس فاش بے ایمانی کے بعد وہ کیسے صدف کا سامنا کرے گا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ فی الحال سب بھول بھال کر نیند کی آغوش میں پناہ لینا چاہ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر گھنٹی بجانے کے بجائے اس نے گاڑی سے نکل کر ماسٹر کی سے دروازہ کھولا اور اندر آگیا۔ وہ سوچ رہا تھا گاڑی بعد میں اندر کرلے گا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اس کی نظر دروازے سے کچھ پرے پارسل نما ایک پیکٹ پر پڑی۔ اس نے قریب جاکر اسے اٹھایا اور لے کر اندر آگیا۔ چلتے چلتے اس نے پیکٹ کو کھولا ایک موبائل اور تہ شدہ کاغذ تھا۔ کچن سے برتنوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ صدف کو چائے کا کہنے کے لیے وہ کچن میں ہی چلا آیا۔ تب تک تہ شدہ کاغذ کھول کر وہ اس کی تحریر پڑھ رہا تھا۔ شدید طیش کے عالم میں اس نے مٹھی میں کاغذ بھینچ لیا۔ تب ہی اس کی نظر پیٹھ موڑے کام کرتے ہوئے اس نسوانی وجود پہ پڑی جو صدف نہیں تھی۔ تب ہی اس نے رخ موڑا۔ حوریہ نے دیکھا وہ دروازے میں بت بنا کھڑا تھا۔ اس نے سر جھکالیا۔

"اوہ۔۔۔ اب میں سمجھا' تمہارا بے غیرتی نامہ اور ضمیر کی قیمت پر حاصل کیا یہ موبائل یہاں کیا کررہا ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی' نبیل نے موبائل کا ڈبا اور رقعہ اس کے منہ پر دے مارا۔ ابھی وہ اسی سے نہیں سنبھلی تھی کہ نبیل نے ہاتھ مار کر چولہے پر رکھی ہنڈیا نیچے پھینک دی۔ ابلتا ہوا شوربہ حوریہ کی پنڈلی پر گرا تو بے ساختہ اس کی چیخیں نکل گئیں پورا گھر گونج اٹھا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر میں آکر میری چیزیں چھونے اور ناپاک کرنے کی؟ بد ذات۔۔۔ غلیظ۔۔۔ بدکردار۔" مغلظات بکتے ہوئے وہ اس کی تکلیف کی پروا کیے بغیر اس کے اوپر تھوک گیا تھا۔

سر جھکا ہونے کی وجہ سے تھوک اس کے ماتھے پر گرا تھا۔ اس کی چیخیں اندر ہی گھٹ گئی تھیں۔ وہ مڑا تو اس کے عین پیچھے صدف اور کچھ فاصلے پر مومنہ بھابھی کھڑی تھیں۔

"میرا بس چلتا تو اسے زندہ جلا دیتا۔ جن لڑکیوں کو والدین اور اپنی عزت کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ رحم کے قابل نہیں ہوتیں۔"

مومنہ بھابھی کی طرف منہ کرکے کہتے ہوئے اس نے کندھے سے پکڑ کر صدف کو پرے کیا اور کمرے میں چلا گیا۔ دونوں تیزی سے آگے بڑھیں۔ مومنہ بھابھی نے سہارا دے کر اسے اٹھایا لیکن وہ بنا کسی سہارے کے بہتے آنسوؤں کے ساتھ درد سہتے ہوئے کچن سے نکل کر اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔ "میں نبیل کی گاڑی دیکھ کر حوریہ کو بلانے آئی تھی۔" صدف کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہتے ہوئے وہ بھی حوریہ کے پیچھے چلی گئیں۔ صدف نے لپک کر وہ مڑا تڑا کاغذ اٹھایا۔

"میری جان حوریہ۔۔۔ میری حور۔"

طرز تخاطب سے ہی صدف کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ بقیہ تحریر بھی فحش گوئی اور گھٹیا قسم کے اشعار سے بھری پڑی تھی۔

"اللہ۔۔۔! یہ سب نبیل نے پڑھ کر کیا سوچا ہوگا۔" رقعہ تلف کرکے موبائل اس نے کچن کیبنٹ میں چپکے سے چھپا دیا تھا۔ کمرے میں آئی تو نبیل نہیں تھا' سو وہ بھی مومنہ بھابھی کی طرف چلی گئی۔ تکلیف کی شدت سے برا حال ہونے کے باوجود بھی حوریہ ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں تھی۔

اس کے چہرے پر پتھریلے سے تاثرات تھے۔ آنکھوں میں عجیب طرح کا سکون تھا۔ صدف نے اس کی ہمت کی داد دی۔ مومنہ بھابھی نے فون کرکے سعید بھائی سے میڈیسن منگوائی تھی۔ اس کی سفید بے داغ پنڈلی کا نچلا حصہ بری طرح جلا تھا۔ ساری جلد جل کر اتر گئی تھی۔ مومنہ بھابھی نے زبردستی اسے دوائی لگائی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سعید بھائی پوچھ

digest novels lovers group

رہے تھے کہ یہ سب ہوا کیسے۔ دوسرے کمرے میں جا کر صدف نے خوب مسالا لگا کر داستاں بیان کی تو سعید بھائی بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حوریہ ایسا کر سکتی ہے۔ یہی حال پاپا کا بھی تھا۔ شام کو جب وہ آئے تو صدف ہی نے ان کے ساری کہانی گوش گزار کی تھی۔

"نبیل کہہ رہے تھے کہ وہ دعا پر اس کا سایہ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتے۔ جتنی جلدی ہو سکے اسے یہاں سے نکالیں ورنہ وہ ہمیں لے کر کہیں اور شفٹ ہو جائیں گے۔"

پاپا کی حالت سے بے خبر وہ بول رہی تھی۔ پاپا ایک مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھے تھے۔ حوریہ پڑھنے جاتی تھی پڑھانے جاتی تھی لیکن ایسی کسی سرگرمی میں وہ انوالو ہے' یہ وہ نہیں جانتے تھے۔ وہ خود کو مجرم تصور کر رہے تھے۔ حوریہ نے نہ صرف ان کا سر جھکایا تھا بلکہ نبیل کے الزامات کو سچ ثابت کر کے انہیں رسوا بھی کیا تھا۔

"پاپا! جتنی جلدی ممکن ہو حوریہ کی شادی کردیں۔ یہی اس مسئلے کا واحد حل ہے۔" اتنی محبت اور نرمی سے بولنے والے سعید بھائی کی زبان سے یہ جملے سن کر پاپا مزید زمین میں دھنس گئے تھے۔ اسی لمحے کھلے دروازے سے لنگڑا کر چلتی وہ اندر داخل ہوئی۔

"پاپا...! اگر آپ مجھ پر اعتبار رکھتے ہیں تو یقین کرلیں کہ میرا اس سب سے کوئی واسطہ نہیں۔"

پاپا نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ کچھ بولے ہی نہیں۔ وہ کچھ دیر خود پر جبر کر کے کھڑی رہی۔ مگر صرف ایک خاموشی... جو اس بات کا واضح اعلان تھی کہ کسی کو اس پر یقین نہیں۔ وہ چپ چاپ انیکسی میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

چھوٹی سی لائبریری میں سنگل بیڈ پر دراز وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ لائبریری اس نے بہت چاہت سے بنائی تھی۔ اصل میں یہ امی کا کمرہ تھا۔ پاپا سے ناراض ہو کر وہ اسی کمرے میں رہتی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد جب ان کی شادیوں کی باری آئی تو پاپا نے پورشنز الگ بنوا دیئے تھے۔ تب اس نے اس کمرے کو لائبریری کی شکل دی تھی۔ آدم شیشے کی کھڑکیوں پر گہرے اور دبیز پردے تھے۔ ہم رنگ قالین پر چوبی الماریاں ایک قطار میں لگی تھیں۔ الماریوں میں بنے ریکس پر مختلف موضوعات پر کتابیں رکھی تھیں۔ کبھی کتابیں اس کا جنون ہوا کرتی تھیں۔ پھر شادی کے بعد عجیب ہی ماحول بن گیا تو وہ دو مہینے تک لائبریری نہیں آتا تھا۔ پڑھنے کے لیے مکمل یکسوئی اور ذہنی سکون بہت ضروری تھا جو فی الحال اسے میسر نہیں تھا۔

آج وہ ادھر پڑھنے نہیں بلکہ سکون کے لیے آیا تھا۔ بلاوجہ کروٹیں بدلتے رہنے پر بھی نیند نہیں آئی تو وہ اٹھ کر الماری کے نزدیک آگیا۔ تب ہی اس کی نظر میز پر پڑی اک کتاب پر پڑی۔ وہ ادھر کرسی پر بیٹھ کر کتاب دیکھنے لگا۔ شاعری کی کتاب تھی۔ عذاب دیدے۔ محسن نقوی کی یہ کتاب پڑھنا اس کی حسرت ہی تھی۔ پتا نہیں یہ کتاب کہاں سے آئی تھی۔ اس کے پاس تو یہ کتاب تھی ہی نہیں۔ کتاب کے پہلے ورق پر اک کونے میں اک مخصوص انداز میں ایس لکھا ہوا تھا۔ انداز تحریر دیکھا دیکھا تھا لیکن کچھ یاد نہیں آیا تو کتاب اس نے واپس رکھ دی اور باہر نکل آیا۔ صدف' مومنہ بھابھی کی طرف سے ابھی آئی ہی تھی۔

"صدف لائبریری میں ایک کتاب پڑی ہے جو میری نہیں۔ کہاں سے آئی ہے اور کس کی ہے۔"

"کون سی؟"

وہ اندر مڑ گیا تو وہ بھی پیچھے ہی چلی آئی۔ "یہ والی۔" نبیل نے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ نئی کتاب تھی۔ صدف نے بغور دیکھا۔

"یہ میں لائی تھی آپ کے لیے۔ شادی سے پہلے آپ کو شاعری اور کتابوں کا شوق ہوا کرتا تھا ناں اس لیے۔" دو چار ورق پلٹ کر اس نے کتاب نبیل کے ہاتھ میں دے دی۔ سرہلا کر نبیل نے کتاب واپس رکھ

دی۔
"چائے بنادوں آپ کے لیے؟"
"ہاں پلیز۔۔۔ اور آتے ہوئے ایک گلاس پانی بھی لادینا۔" وہ چلی گئی تو وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اگلے چند دن اس کی زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ گھر میں جو عارضی سکون تھا اسے یہ اندازہ اگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ حوریہ کی وجہ سے ہی تھا۔ ایک بار پھر وہی چخ چخ پخ پخ۔ پھر وہی گرد آلود ویران سا گھر' وہی بے ترتیبی اور وہی بے سکونی تھی۔ دوسرا وہ شمائل سے نکاح کی وجہ سے بھی الجھا ہوا تھا۔ یہ وہ بار تھا جو سوتے میں بھی اس کے اعصاب پر سوار رہتا تھا۔
آج کافی دن بعد شہریار آیا تھا۔ "میں آفس کے کام سے اسلام آباد جارہا ہوں۔ کوئی پتا نہیں کب واپسی ہو۔ سوچا ملتا چلوں۔"
"اچھا کیا آگئے۔ میں خود رابطہ کرنے والا تھا۔" پیون کو انٹر کام پہ چائے کا کہہ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "میں سوچ رہا تھا شمائل والا معاملہ اب نمٹ جانا چاہیے۔ بلاوجہ کی ٹینشن بنی ہے میرے لیے۔"
"اوہ ہاں یاد آیا تھوڑے دن پہلے میرا رابطہ ہوا تھا۔ وہ بھی یہی چاہ رہی تھی کہ اب بلاوجہ طول دینے کے بجائے اس قصے کو ختم کیا جائے۔"
"ہوں۔۔۔ تو پھر اس سے بات کرو۔ بتاؤ کیا کہتی ہے۔"
"نہیں' ایسا کرو تم اس کا فون نمبر لے لو اور خود بات کرلینا۔ مجھے پتا نہیں اتنا وقت ملے یا نہ ملے تم دونوں معاملات طے کر کے مجھے بتادینا۔ کاغذی کارروائی بعد میں ہوتی رہے گی۔"
"نہیں یار' کاغذی کارروائی بھی ساتھ ہی نمٹ جائے تو میں ریلیکس ہوجاؤں گا۔" نبیل نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔
"چلو جیسے تمہاری مرضی میں تو تمہاری سہولت کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔" چائے پی کر شمائل کا نمبر لکھوا کر وہ چلا گیا تو نبیل نے اسی وقت وہ نمبر ملایا' بیل جارہی تھی۔ تھوڑی دیر میں کال ریسیو ہوگئی۔
"السلام علیکم۔۔۔" ایک مہذب اور شائستہ آواز ایئرپیس سے ابھری تو اس کا دل بے قابو ہوگیا۔ اس نے فوراً" کال کاٹ دی۔ اس کی دھڑکن بلاوجہ تیز ہورہی تھی۔ فون کے دوسری طرف موجود لڑکی اس کے لیے اجنبی سہی لیکن شرعی لحاظ سے محرم تھی۔ پہلی بار اس رشتے کے لطیف احساس نے اس کا دل چھوا تھا۔ خود پر قابو پاکر اس نے پھر فون ملایا۔
"السلام علیکم!" پھر وہی انداز اور الفاظ۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ نبیل بات کررہا ہوں۔" سلام کا جواب دے کر کچھ وقفے سے اس نے اپنا تعارف کروایا۔
"جی۔۔۔ کہیے؟" وہ لاجواب ہوا۔ شہریار نے اسے بتایا نہیں ہوگا اس نے سوچا۔
"شہریار نے نمبر دیا تھا آپ کا۔۔۔ آپ۔۔۔ کے گھر آنا چاہتا ہوں۔ آئی مین کب تک آپ کے گھر آؤں؟" اس نے قدرے اختصار سے بات مکمل کی۔ اک گہری سانس کی آواز فون میں سے ابھری۔ اس کے دل کی عجیب حالت ہورہی تھی۔ "جب آپ آسانی سے آسکیں۔ دن بتادیں' میں آپ کو وقت بتادوں گی اور ایڈریس بھی دے دوں گی۔" اس کی آواز میں کچھ تو تھا جو نبیل بے چین ہورہا تھا۔
"رائٹ۔۔۔ ویسے آپ اگر کچھ دن ویٹ کرلیں تو مجھے آسانی ہوگی۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت چاہیے۔ تو میک مائی مائنڈ۔" جانے کیسے اس کے ہونٹوں سے نکلا ورنہ وہ تو جلد از جلد اس ٹینشن سے چھٹکارا چاہتا تھا۔
"دین ٹیک یور ٹائم مجھے بتادیجیے گا۔ نمبر تو اب آپ کے پاس ہے ہی۔"
"شیور۔ ویسے اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اس کاغذی رشتے کی زندگی تک آپ اس سے رابطے میں رہ سکتا ہوں؟"
"کیوں؟" وہ جی بھر کر حیران ہوئی تھی۔ اس کی آواز سے ظاہر تھا۔

"نہیں اگر آپ کو کوئی پرابلم ہے تو رہنے دیں۔"
"نہیں پرابلم تو کوئی نہیں بس ذرا ان ایکسپکٹڈ بات تھی تو حیران ہو گئی تھی۔"
"چلیں میں فری ہو کر بات کرتا ہوں۔ کچھ ڈیٹیلز چاہئیں مجھے۔ ٹھیک ہے پھر بات ہوگی ان شاء اللہ۔"
"ویسے آپ کو شکریہ کہنا چاہتی تھی آپ نے میری ہیلپ کے لیے اتنا بڑا اسٹیپ لیا۔" وہ مشکور تھی۔
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں اِصل میں، میں خود سوتیلے رشتوں کو جھیل چکا ہوں اور جھیل رہا ہوں۔۔۔ بس اسی لیے آپ کا احساس دل میں جاگا تھا۔ میں تو مرد ہوں۔ اوپنلی پروٹیسٹ کر سکتا ہوں۔ آپ کی پوزیشن کا اندازہ کر کے ہی یہ اسٹیپ لیا تھا میں نے۔"
"بہرحال یہ بھی بہت بڑی بات ہے خیر اللہ حافظ۔"
"اللہ حافظ۔"
فون بند کر کے اس نے ایک گہری سانس اندر کھینچی۔ اس گفتگو نے اس کو تروتازہ کر دیا تھا۔ وہ گفتگو کو طول دینا چاہتا تھا پھر جانے کیوں خود ہی مختصر کر دیا۔
شہریار سے جب اس کی دوستی ہوئی تھی تب سے تاحال وہ اسے شائل کے بارے میں چھوٹی چھوٹی باتیں بتا کر اس کا گرویدہ کر چکا تھا۔ شائل کے والد کی وفات کے بعد اس کی والدہ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ شائل کی خودداری نے ان سے لے کر کبھی اپنی ذات پر خرچ کرنا مناسب نہیں جانا تھا سو اس نے پہلے گھر میں بچوں کو ٹیوشنز پڑھانا شروع کر دیا پھر مقامی اکیڈمی میں پڑھانا شروع کر دیا۔ مضبوط کردار کی حامل شائل ذہین بھی بہت تھی۔ ہر کلاس میں اس کا رزلٹ شاندار رہا تھا۔ شہریار بتاتا رہتا تھا اسے شائل کی کامیابیوں کے بارے میں۔
نبیل میں اور اس میں کافی کچھ مشترک تھا۔ حتیٰ کہ کسی حد تک ان کے حالات بھی مماثلت رکھتے تھے۔ اگر پاپا کی ضد میں وہ صدف کو نہ بیاہتا تو شائل یا شائل جیسی کوئی اس کے گھر میں ہوتی۔ وہ ایسی لڑکی کو ہی آئیڈیلائز کر سکتا تھا۔ باوقار ذہین، ادبی اور کامیاب۔۔۔ قسمت نے اگر ان کا میل کروایا بھی تھا تو عارضی۔ وہ اس رشتے کو مستقل نہیں رکھ سکتا تھا۔ دوسری عورت کا عذاب وہ دعا پر مسلط نہیں کر سکتا تھا۔
جو بھی تھا شائل سے بات کر کے اسے بہت اچھا لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کین آئی کال یو؟" موبائل اسکرین پر میسج نمودار ہوا۔ اس نے پڑھ کر جواباً "نو" لکھا۔ اس کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔ فوراً ہی نمبر ملا کر اس نے فون کان سے لگا لیا۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔"
"کیسے ہیں آپ؟" رسمی سا لہجہ تھا۔
"میں ٹھیک۔۔۔ آپ کیسی ہیں؟"
"جی الحمدللہ۔۔۔ معافی چاہتی ہوں بے وقت تنگ کیا لیکن بس کام ضروری تھا اس لیے تکلیف دی۔"
"چلیں آپ نے کسی قابل تو جانا۔۔۔ کہیں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لیے؟" وہ خوش دلی سے گویا ہوا۔ یہ جانے بغیر کہ اس کی خوش دلی شائل کو الجھن میں مبتلا کر گئی ہے۔
"شہریار سے رابطہ ہے آپ کا؟ میرا مطلب موبائل کے علاوہ کوئی رابطہ نمبر ہے؟" بڑا نپا تلا سا لہجہ تھا۔ جیسے ناپ تول کر بول رہی ہو۔ نہ اخلاق سے اوپر نہ کچھ نیچے۔
"نہیں موبائل پر ہی ہے۔۔۔ کیوں کیا ہوا؟ خیریت؟" لائبریری سے نکل کر وہ سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔
"خیریت تو ہے۔ بس ضروری کام تھا اس سے۔" نبیل کو لگا وہ فون بند کرنے والی ہے۔
"تو آپ مجھے بتا دیں شاید میں کسی کام آ جاؤں۔"
"نہیں شکریہ۔۔۔ اللہ حافظ۔" قطعیت سے کہتے اس نے فون کاٹ دیا۔
شائل کو اس کے لہجے کی خوشگواریت، بے تکلفانہ رویہ بہت کھل رہا تھا۔ شہریار نے تو کہا تھا

بہت محتاط قسم کا بندہ ہے۔ کہیں وہ ہمارے پیپر ریلیشن کی بنیاد پر ڈیمانڈنگ تو نہیں ہو رہا۔ یہ سوچ ہی اسے دہلا دینے کے لیے کافی تھی۔ تب ہی دوبارہ فون بج اٹھا۔ اس نے دیکھا نبیل کالنگ کے الفاظ جل بجھ رہے تھے۔

"جی کہیں کیا بات ہے۔" اس کا لہجہ خود بخود اکھڑ ہو گیا۔ نبیل نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اسی لیے محتاط انداز سے بات شروع کی تھی۔

"بات تو کچھ نہیں' صرف آپ سے جاننا چاہ رہا تھا کام کیا ہے۔ میں ہیلپ کر سکتا ہوں۔" دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ "میں نہ تو ٹین ایج ہوں اور نہ ہی میرا ارادہ آپ سے فلرٹ کرنے کا ہے۔ میں خود ایسے حالات فیس کر چکا ہوں' جب میرے پاس خدائے واحد کے علاوہ کوئی سہارا نہیں تھا لیکن میں مرد ہوں معاشرے میں اپنا مقام پانے کے لیے جدوجہد کر سکتا ہوں۔ آپ کے لیے یہ سب اتنا آسان نہیں ہو گا۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ مشکل ہو گا۔ اور ایک بات۔۔۔ آپ کے کام آنا میرا اخلاقی ہی نہیں شرعی فرض بھی ہے۔ چاہے ہمارا رشتہ کاغذی سہی پھر بھی "ہے"۔" اس نے "ہے" پر زور دیا۔

"میں آپ سے ریٹرن میں کچھ مانگوں گا نہیں۔ وہ جائز حق بھی نہیں جو آپ خود ان پیپرز پر سائن کر کے قبول کر چکی ہیں۔ باقی میں آپ کی سوچ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ مجھ پر نہ سہی شہریار پر تو اعتماد ہے نا ؟ تب ہی تو اتنے بڑے فیصلے کے لیے آپ نے اس سے مدد چاہی۔۔۔ تو اس پر ہی اعتبار رکھیں کہ اس نے آپ کو غلط شخص کو نہیں سونپا۔" اس کی وضاحت پر شمائل جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔

"میرے گریز' میری احتیاط کو پتا نہیں آپ نے کیا سمجھ لیا ہے۔ جن حالات سے میں گزر رہی ہوں محتاط رہنا میرے حق میں اس سے بہتر ہے کہ بے احتیاطی سے میں خود پر کوئی داغ لگوا لوں۔ مجھے دنیا کا ڈر نہیں کیونکہ کل جب ایک شخص میرے شوہر ہونے کا دعوا کرے گا تو مجھ پر بہت سی انگلیاں بھی اٹھیں گی اور میرے کردار پر کیچڑ بھی اچھالا جائے گا۔ میں صرف اپنے ضمیر کی عدالت میں سرخرو ہونا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی ایک شوہر' ایک باپ سے میرا تعلق اس طرح کا ہو کہ جائز اور شرعی ہوتے ہوئے بھی میں ایک بیوی' ایک بچے کی مجرم بن جاؤں۔" نبیل چپ ہو گیا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ۔ وہ اس کے کردار کا معترف ہوا تھا۔ "اب آپ بتا دیں کام کیا تھا۔"

"شہریار کے پاس میرے ڈاکومنٹس اسکین کیے ہوئے ہیں۔ میں نے اخبار میں ویکنسی دیکھی ہے۔ کل اپلائی کرنے کی لاسٹ ڈیٹ ہے۔۔۔ نہ کمپیوٹر ہے نہ نیٹ۔ میں نے سوچا شہریار سے کہہ دیتی ہوں لیکن اس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا۔"

"اوہو۔۔۔ یہ تو واقعی برا ہوا۔ میں کچھ کر سکتا ہوں تو بتائیں۔ مجھے اپنے ڈاکومنٹس دے دیں۔"

"اس وقت؟" شمائل نے اس کی بات کاٹی۔ "باہر آسمان پر اوائل تاریخوں کا چاند جگمگا رہا تھا۔ نرم ہوا درختوں کے پتوں سے سرگوشیاں کرتی مسکرا رہی تھی۔ وہ اک لمحے کو کھو سی گئی۔ اپنے آنگن میں لگا امرود کا پیڑ اسے بری طرح یاد آ گیا۔ وہ پیڑ جس پر ابو نے اسے جھولا ڈال کر دیا تھا۔ گھر کا کچا وسیع صحن اور اس میں لگے پودے۔۔۔ ماضی نے اک معصوم بچے کی طرح اس کا دامن تھام لیا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ بس اک شجر سایہ دار یاد آ گیا تھا۔"

"جب سورج کی طرح قہر برساتے لوگ ہوں تو یوں ہی ہوا کرتا ہے۔"

"نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ اس کی بات سمجھ گئی تھی۔ "یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ اتنے ہی اچھے جتنے میرے یا آپ کے والدین ہمارے ساتھ ہو سکتے تھے۔ اپنے خونی رشتوں کے ساتھ بہت اچھے ہیں۔ خود اپنے لیے اچھے ہیں۔ بہ حیثیت انسان۔۔۔ سب اچھے ہیں۔ بس مجھ سے مطابقت نہیں ان کی۔"

"مطابقت؟ کیسی مطابقت؟" اسے شائل سے گفتگو میں لطف آرہا تھا۔

"جب دو لوگ جدا ہوتے ہیں تو کہیں نہ کہیں وہ کسی اور کے ساتھ بس جاتے ہیں۔ کیونکہ آپس میں مطابقت نہیں تھی لیکن کہیں اور مطابقت پالینے کے بعد اپنی تمام برائیوں اچھائیوں سمیت چاہے جاتے ہیں' سراہے جاتے ہیں۔ کسی طرح مطمئن کرتے اور ہوتے ہیں۔ بس۔۔۔ اسی طرح اگر ان کی مجھ سے مطابقت نہیں تو میں ان پر برے ہونے کا لیبل تو نہیں لگا سکتی ناں۔" وہ بے حد متاثر ہوا تھا۔ کیسے وہ ان لوگوں کو اچھا قرار دے رہی تھی جن کی وجہ سے وہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوئی تھی۔

بات سے بات نکلی تو بہت دور تک گئی۔ اس ٹھنڈی رات نے چاند کی مدھم روشنی میں انہیں دیکھا۔ نبیل چھت پر ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ کبھی زیر لب مسکراتا تو کبھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑتا۔ شائل کبھی بے خودی میں بال کھول کر انگلیاں چلانے لگتی تو کبھی جھینپ کر بال باندھ لیتی۔

کوئی موضوع نہیں تھا۔ کوئی عنوان نہیں تھا۔ پھر بھی ساری رات باتیں ختم نہیں ہوئیں۔ صرف اس رات پر بس نہیں ہوئی۔ آنے والی کتنی راتیں ایسی ہی تھیں۔ بے شمار باتیں۔۔۔ صبح سے رات تک زندگی سے موت تک۔۔۔ نواز شریف کی سیاست سے عمران خان کے دھرنے تک۔۔۔ ہارون رشید کے تبصرے سے حسن نثار کے کالم تک' مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے سے ہاشم ندیم کے ناولز تک' جسٹن بار بر سے میڈونا کے گانوں تک۔ ہر بات پر بات کی تھی انہوں نے نہیں بات کی تھی تو وہ تھی محبت۔

پروین شاکر کی "خوشبو" کی طرح محبت ان کے دلوں پر نازل ہو چکی تھی۔

دونوں بے خبر' خوش اور بہت خوش تھے۔ نبیل نے اب صدف اور اس کی حرکتوں پر چڑنا چھوڑ دیا تھا۔ شائل نے بھی اپنے حالات کو سوچنا چھوڑا ہوا تھا۔ اس کے سوختہ من پر محبت اک ٹھنڈی میٹھی پھوار کی طرح برس رہی تھی۔ سترہ اٹھارہ کی عمر میں جو خواہش من میں کلیوں کی مانند چٹکتی ہے' وہ اب تیئس سال گزرنے کے بعد دل آنگن مہکا رہی تھی۔ اب آئینے میں اپنا عکس بھی اچھا لگنے لگا تھا۔ حالات کی کرختی بھی اب دکھتی نہیں تھی۔

اک محبت نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ ساری محرومیاں' ناانصافیاں۔۔۔ ڈگریوں پر اے پلس کے نشان سے زیادہ خوشی اسے اس محبت نے دی تھی جس کے اظہار' اعتراف اور اقرار سے دونوں گریزاں تھے۔

لیکن کب تک۔۔۔

جو کچھ میں کہہ نہیں سکتا اسے میں فرض کرتا ہوں چلو میں فرض کرتا ہوں' مجھے تم سے محبت ہے

نبیل کو ایک دوست نے یہ شعر میسج کیا تھا اس نے شائل کو فارورڈ کر دیا۔ پھر کچھ دیر جواب کا انتظار کر کے اسے کال کی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" "میسج پڑھا میرا؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"جی۔۔۔ پڑھا۔" بڑا مختصر جواب تھا۔

"پھر اب۔"

"کیا؟"

پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ کیا سننا چاہ رہا تھا۔

"میں یہ فرض نہیں کر سکتا۔ جانتی ہو کیوں؟"

"آپ خود بتا دیں۔" دونوں کی دھڑکنیں ایک ہی لے پر دھڑک رہی تھیں۔

"کیونکہ۔۔۔ حقیقت کو فرض نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ شائل۔۔۔" اس کا لہجہ خوابناک ہوا تھا۔

"جی۔۔۔" جذبوں سے بوجھل آواز۔۔۔ نبیل بے خود ہوا جا رہا تھا۔

"بہت پیار کرتا ہوں تم سے۔۔۔ تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ میری قسمت تو بن گئی ہو۔ مجھے کبھی تنہا مت کرنا۔ میرا اندر مر چکا تھا۔ تم نے جلا بخشی ہے اب تم ہی مجھے مت مارو نا۔ میں محبت کے نام سے' محبت لفظ کی چاشنی سے نا آشنا تھا لیکن تم نے مجھے نہ صرف

محبت سے روشناس کروایا بلکہ۔۔۔ شائل۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر اس نے شائل کو پکارا۔ "میری ہو جاؤ پلیز۔ بس میری۔" وہ جیسے قدموں میں گرنے کو تھا۔

شائل کے کانوں کی لوئیں تپ اٹھی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا اک لمحہ تاخیر کے بغیر اپنا وجود اس سائل کی جھولی میں ڈال دے جس کی وہ خود سوالی تھی۔ اتنی شدید محبت تو اس نے نہ مانگی تھی نہ چاہی تھی شاید اس نے خود ہی فرض کر لیا تھا کہ محبت اس کے لیے ہے ہی نہیں۔ اقرار ہونے کو تھا۔ اک سوچ کے زہریلے ناگ نے ان کی نئی نویلی محبت کو ڈس لیا تھا۔

"میں وہ بد بخت ہوں جسے صحرا جیسی زندگی میں نخلستان میسر تو آیا لیکن میں تا عمر ٹھہر نہیں سکتی کیونکہ قافلہ حیات کا ایسا ہے' یہ کبھی بھی من چاہی جگہ نہیں ٹھہرتا۔ میں آپ کی محبت قبول نہیں کر سکتی۔ میں غاصب نہیں کہلوانا چاہتی۔"

"تم غاصب نہیں ہو شائل۔ تم ملکہ ہو میرے دل کی۔ میں تمہیں ایسی جگہ چھپا کر رکھوں گا۔ جہاں گرد آلود ہوا بھی تمہیں چھو کر میلا نہیں کر سکے گی۔" وہ بے تابی سے بات کاٹ کر بولا۔

"آپ نہیں جانتے" دوسری عورت کی اولاد " کتنا تکلیف دہ تعارف ہے۔ میں یہ تعاف اپنی آنے والی نسل کو تحفہ دے کر روایت نہیں ڈالنا چاہتی۔ میں نے اس تعارف کو اپنی جان پر کئی سال جھیلا ہے۔

میری ماں کمزور عورت نہیں تھی۔ وہ مجھے تنہا سنبھال سکتی تھی لیکن بھلا ہو انکل کا۔ میری ماں کے کلاس فیلو اور میری ماں کی محبت میں مبتلا رہ چکے تھے۔ میری ماں کی عدت کے بعد سے انہوں نے دہلیز ہی پکڑ لی تھی' میرے ماموں۔ خالائیں سب امی کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے تب انکل کی مرحوم بیوی ہمارے گھر آئیں۔ مجھے آج بھی ان کے الفاظ یاد ہیں۔ انہوں نے امی سے کہا۔

"میں نے بڑوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا کر اپنی آدھی زندگی بے رنگ گزار دی ہے اور آنے والی آدھی زندگی میں بھی کوئی رنگ نظر نہیں آ رہا ہے لیکن میں چاہتی ہوں میرے ہم سفر کی زندگی میں اس کی مرضی کے گلاب کھلیں تاکہ جب سود و زیاں کا حساب کرنے بیٹھیں تو میرے حصے میں سے یہ پچھتاوا کم ہو جائے کہ میں نے انہیں خوشی نہیں دی۔

وہ بلاشبہ عظیم عورت تھیں جو اپنا شوہر بانٹ کر نہیں گئی تھیں بلکہ بخوشی پورے کا پورا امی کو سونپ گئی تھیں۔

امی کی شادی کے بعد ان کی پہلی بیوی نے بڑے چاؤ سے ہمیں گھر بلایا اور پھر ان کی اولاد نے جو عزت دی۔ مرتے دم تک نہیں بھول سکتی۔ ایسی ذلت سے تو موت بہتر تھی۔ میں آٹھ یا نو سال کی عمر میں سب محسوس کر رہی تھی تو میری ماں نے کیا کچھ نہ سہا ہو گا۔ پھر میں نے اپنی ماں کو مطمئن تو دیکھا لیکن خوش نہیں دیکھا۔ میں اپنی ماں جتنی بہادر نہیں ہوں۔" وہ بلک بلک کر رو دی۔

آج پہلی بار اس نے اپنا ماضی کھولا تھا۔ نبیل کا وجود شل ہو رہا تھا۔ اوہ خدایا یہ اک خواب ہو۔ بھیانک خواب۔۔۔ آنکھ کھلے تو سب ٹھیک ہو۔ بھیانک حقیقت سے سامنا ہونے پر ہر شخص کی طرح وہ بھی عجیب خواہش کر رہا تھا۔

"حوریہ۔۔۔" بڑے خوف زدہ ہو کر اس کے منہ سے سرسراہٹ کی طرح یہ نام نکلا اور جواباً "جی" سن کر اس کے تمام بدترین خدشات درست ثابت ہو گئے لیکن پھر بھی وہ یقین نہیں کر پا رہا تھا۔ ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا یہ جانے بغیر کہ غلط فہمی میں تو وہ آج تک گرفتار تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ کہہ رہی تھی۔ "جتنی جلدی ہو سکے نیکی مکمل کر کے مجھے آزاد کریں۔ نیکی کا اجر اللہ دے گا۔ میں کچھ نہیں دے سکتی۔ پلیز منزلیں جدا ہیں تو بہتر ہے جلد از جلد راستے بھی الگ کر لیے جائیں۔" اس نے فون بند کر دیا تھا۔

وہ اسی طرح فون کان سے لگائے غائب دماغی میں بیٹھا رہا۔ جانے کتنی دیر یوں ہی گزر گئی۔ انٹر کام پر

کروائی جانے والی میٹنگ کی یاد دہانی پر وہ ہوش میں آیا۔ جیسے تیسے میٹنگ نمٹا کر وہ وقت سے کافی پہلے گھر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

شیری نے اسے نکاح نامہ دیا تھا جو اس نے فائلز میں چھپا کر گھر میں رکھا ہوا تھا۔ وہ جا کر نکاح نامہ دیکھنا چاہتا تھا۔ جانے کیوں اس کا دل ماننے سے انکاری تھا کہ شمائل ہی حوریہ ہے۔ دونوں بالکل مختلف طرح سے اس کے ذہن میں امیج بنائے ہوئے تھیں۔ اب کیسے وہ ان دو تصویروں کو اک تصویر کا الگ رخ مان لیتا۔

گھر پہنچا تو پاپا کی گاڑی باہر کھڑی تھی اور سعید بھائی والے پورشن کا گیٹ بھی کھلا ہوا تھا۔ اس نے بھی اپنی گاڑی وہیں پارک کی اور اندر چلا گیا۔

"السلام علیکم!" لاؤنج میں داخل ہوتے اس نے بلند آواز سے سلام کیا۔ تیمور بھاگ کر اس کی گود میں چڑھ گیا۔

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔" مومنہ بھابھی نے اس کے لیے جگہ خالی کی۔

"نہیں بھابھی بس جا رہا ہوں۔ پاپا کی گاڑی دیکھی تو ادھر آگیا۔ پاپا آج آپ جلدی آگئے۔ خیریت؟"

"ہاں بس اک ضروری کام تھا اور تم بھی جلدی آگئے۔ طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ جانتے تھے نبیل بلاوجہ کام کو اگنور نہیں کرتا۔

"جی پاپا! بس ذرا سر میں درد ہے۔ تھوڑا ریسٹ کروں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔" تیمور کو مومنہ بھابھی کو پکڑا کر وہ اندرونی گیٹ سے اپنے پورشن میں چلا گیا۔

"مجھے تو پریشان لگ رہا تھا کچھ ورنہ معمولی سر درد پہ تو کام وام چھوڑ کر نہیں آتا۔"

"جی۔" پاپا کی رائے پر مومنہ بھابھی نے یک لفظی جواب پر اکتفا کیا۔

"یوں کرو تم جا کر پوچھو میری عمر کا لحاظ کر کے شاید پریشانی چھپا گیا ہے۔" پاپا نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی ہنس پڑیں۔

"جی بس کچن میں چولہا بند کر دوں تو پھر پوچھ آتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف مڑ گئیں تو تیمور اور پاپا مل کر اسنیکس کھانے لگے۔

نبیل نے کمرے کا دروازہ کھولا تو صدف کمرے میں موجود نہیں تھی۔ البتہ دعا بیڈ پر سوئی ہوئی تھی۔ جوتے اتارنے کے لیے وہ بیڈ پر بیٹھا تو اس کی ہتھیلی تلے موبائل آگیا۔ اس نے دیکھا۔ یہ وہی موبائل تھا جس پر چند دن پہلے ہنگامہ ہو چکا تھا۔ پر یہ موبائل تھا کس کا؟ حوریہ کا؟ اور اگر حوریہ ہی شمائل تھی تو وہ قسم کھا کے کہہ سکتا تھا کہ موبائل اس کا نہیں۔۔۔ اس نے موبائل چیک کرنا شروع کر دیا۔ کال ہسٹری میں ایک دو ہی نمبر تھے۔ میسجز کھولے تو وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنی بے ہودہ زبان' واہیات پیغامات' چھچھورا انداز۔

بھیجی ہوئی تصویروں پر کھلے تبصرے تھے۔ اس نے سینٹ باکس کھولا۔ میسجز چھوڑ کر بھیجی جانے والی تصویریں کھولیں۔۔۔ غیرت کے مارے اس کا جی چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

موبائل کے پیچھے سے صدف کا چہرہ ابھرا۔ "جلدی آگئے آج آپ؟" اس کے ہاتھ میں موبائل پر توجہ کیے بغیر اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاپا نے دوسری شادی کی تھی۔ یہ حق انہیں شریعت نے دیا تھا۔" غیر متعلقہ بات پر اس کی نظریں نبیل کی جانب اٹھیں اور پھر وہ پلکیں جھپکنا بھی بھول گئی۔ "آج تک میں ان کا یہ جائز رشتہ نہیں قبول کر پایا۔۔۔ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تمہارے ناجائز تعلقات کے باوجود تمہیں اپنے گھر میں جگہ دوں گا؟ صدف بی بی! میں نبیل جاوید بقائمی ہوش و حواس تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کرتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" وہ ایک دم حرکت میں آئی تھی۔ دوڑ کر اس نے نبیل کے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہا' لیکن اس نے پوری قوت سے اسے پرے دھکیل دیا۔ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ ہاں میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" وہ ہذیانی انداز میں چلا رہا تھا۔

صدف منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ ابھرنے والی چیخیں دبانے کی کوشش کررہی تھی۔ کچھ فاصلے پر کھڑی مومنہ بھابھی سُن ہو کر رہ گئی تھیں۔ تب ہی نبیل کی نظر ان پر پڑ گئی۔

"بھابھی! اسے میری نظروں کے سامنے سے دور کردیں۔ اسے کہیں یہاں سے دفع ہو جائے۔ بے حیا عورت۔ بغیر دوپٹے کے گندی تصویریں بنا کر غیر مردوں سے اپنی نسوانیت کی داد وصول کرتی ہے۔ فاحشہ بھابھی اسے لے جائیں' میں اسے قتل کردوں گا۔"

کہنے 'سننے' پوچھنے' بتانے کو بہت وقت پڑا تھا۔ نہیں واپس آسکتے تھے تو وہ الفاظ جو وہ ادا کرچکا تھا۔ بھابھی نے بیڈ سے لٹکتا دوپٹا اٹھا کر صدف کے سر پر ڈالا اور سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے اسے باہر کی طرف لے گئیں۔

اندر کی طرف مڑا تو نظر سوئی ہوئی دعا پر پڑ گئی۔ اس کا دل رو دیا تھا تو آنکھ کیوں نہ بہتی۔ اسے اپنے رد عمل پر ملال نہیں تھا۔ وہ کردار کے علاوہ ہر چیز پر سمجھوتہ کرسکتا تھا اور کر بھی رہا تھا۔ دعا کی آنے والی زندگی کبھی نارمل نہیں ہوگی' اس سوچ نے اس کا جگر چھلنی کردیا تھا۔

شام تک صدف کے گھر والے آکر اسے لے گئے تھے۔ خاندان کے چند بڑوں نے اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کا کہا تھا' لیکن اس نے دو ٹوک جواب دیا۔ اگر غصہ نہ بھی ہوتا۔ کیوں نہ ہوتا؟ یہ ایسا کام تھا کہ کسی بھی غیرت مند کو غصہ آسکتا تھا۔ اسے بھی آیا۔ ہاں اگر اسے سوچنے کے لیے سو سال بھی دیے جاتے تو وہ یہی کرتا اور یہی اس نے کہہ بھی دیا تھا۔ مذہب میں کوئی گنجائش نکلتی بھی ہو تو اس کے دل میں ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔

اس نے کبھی صدف کے پھوہڑپن کے قصے زبان پر نہیں آنے دیے۔ اس کی کوتاہیاں نظرانداز کرتا رہا' لیکن کردار پر سمجھوتہ وہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ کرنا چاہتا بھی نہیں تھا۔ صدف کے ساتھ اس کا سارا سامان جو وہ جہیز میں لائی تھی وہ بھی چلا گیا تھا۔ کمرہ اجڑا اجڑا ویران لگ رہا تھا۔

دعا کو اس نے جانے نہیں دیا تھا۔ وہ اس وقت مومنہ بھابھی کے پاس تھی۔ خالی الذہن وہ اس وقت لائبریری میں ہاتھوں کے پیالے میں سر گھسائے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اک تسلسل کے ساتھ رونما ہونے والے واقعات کو سوچتے ہوئے اسے پھر سے حوریہ یاد آگئی تھی۔ کتنا کیچڑ اچھالا تھا اس نے اس کے کردار پر۔ اسے کتنی ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچائی تھی۔ بنا کسی ٹھوس ثبوت اس پر الزام لگایا۔ سب کی نظروں میں گرا دیا اسے' لیکن جسے قدرت نہ چاہے اس کو کون رسوا کرسکتا تھا کہ وہ اسی لڑکی کے قدموں پر جھک گیا جس کو وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ حوریہ' شمائل سوچتے سوچتے اسے اس سے اپنا تعلق یاد آگیا۔

اٹھ کر اس نے مطلوبہ فائل کھولی اور اپنا نکاح نامہ نکالا۔ "حور شمائل" زیر لب اس نے نام لیا تھا پاپا کو بہت شوق تھا بیٹی کا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ نبیل کے بجائے اگر لڑکی ہوتی تو وہ اس کا نام حوریہ رکھتے اور پھر جب ان کی کلاس فیلو ـــ سے ان کی شادی ہوئی تو نبیل کو بتایا تھا کہ اللہ نے میری بیٹی کی کمی پوری کردی وہ ان کے لیے حوریہ بہن لے آئے ہیں۔ پھر جب پاپا اپنی نئی بیوی کو گھر لے کر آئے تو اس نے دیکھا تھا عمیر میں اس سے کافی چھوٹی لڑکی اس عورت کے ساتھ تھی جو اس کے پاپا کی دوسری بیوی تھی۔

چہرے پر نرم مسکراہٹ جیسے اس کے چہرے کے ساتھ ہی چپکی ہوئی تھی۔ شفاف جلد اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے میں ملبوس وہ عورت اسے زہر لگی تھی۔ اس نے ایک نظر دیکھ کر ہی منہ پھیر لیا تھا۔

پاپا نے بڑے پیار سے اسے پاس بلایا تھا۔ "نبیل آؤ بیٹا ملو حور سے۔ اپنی نئی ماما کو سلام کرو۔" تب اس نے جی بھر کر بدتمیزی کی تھی۔

"سڑک پر چلتی کسی عورت کو آپ اپنی بیوی تو بنا سکتے ہیں' لیکن میری ماں نہیں۔" نخوت سے کہہ کر اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ اس عورت کے چہرے پر وہی مہربان مسکراہٹ تھی شاید وہ بچہ سمجھ کر

digest novels lovers group

کر نظرانداز کررہی تھی یا شاید وہ اس سب کے لیے تیار تھی جبکہ اس بچی کے چہرے پر تاریکی پھیلتے دیکھ کران کے دل کے کسی کونے میں سکون نازل ہوا تھا۔ "مائی فٹ" کہہ کر پیر پٹختے وہ ان کے قریب سے گزر گیا تھا۔

یہ اس کی حورشائل سے پہلی ملاقات تھی جو آخری ٹھہری۔ اس کے بعد اس نے کبھی ان دونوں کو نہیں دیکھا البتہ اپنی ماں کو چھپ چھپ کر روتا ضرور دیکھا تھا۔ اس کی نفرت ان دونوں سے مزید بڑھ گئی۔ اس عورت نے اس کی ماں سے اس کا شوہر چھین لیا تھا۔ وہ صرف یہی سمجھ پاتا تھا۔ یہ تو اسے اب پتا چلا تھا کہ اس کی ماں نے خود اپنی خوشیاں پورے حق کے ساتھ اس عورت کو دان کی تھیں۔ اسے خبر نہیں کہ کیسے زندگی اتنی تیزی سے گزر گئی کہ اسے خود پتا نہیں چلا۔ کچھ عرصے پہلے اپنی ماں کھودی تھی تو اب حورشائل بے آسرا ہو کر اس کے گھر آپڑی تھی۔

ماں کو کھودینے کا دکھ وہ سمجھ سکتا تھا تو پھر حورشائل کا دکھ کیوں نہیں سمجھ سکا۔ وہ تن تنہا سارے مصائب سے لڑرہی تھی اس کے ساتھ تو پھر اپنے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ شائل اور اس کی کہانی میں مطابقت ہے اور انیس بیس کا فرق صرف جنسی فرق کی وجہ سے ہے۔ وہ اس کا دکھ سمجھ رہا تھا تو حوریہ کا دکھ کیوں نہیں سمجھا؟ مٹی سے بنی ہو شائل۔" اس نے آزردگی سے سوچا۔

وہ جتنا سوچتا اتنا شرمندہ ہوتا اور اس کے دل میں شائل کی محبت بڑھتی جاتی۔

وہ حورشائل جس کو اس نے کبھی نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ اس کے ذہن کے پردے پر حورشائل کے نام کا سایہ بھی نہیں لہرایا تھا۔ نہ اس کی رنگت آنکھوں میں تھی نہ اس کی آنکھیں دل میں جھانکتی تھیں۔ سب پریشانیاں ذہن سے نکل گئی تھیں۔ تھا تو صرف ایک خیال۔ "وہ کیسی دکھتی ہے؟" وہ اس کی محبت تھی۔ اس کی بیوی تھی۔ اسے حق تھا کہ وہ اسے سوچے بلکہ صرف اسے ہی حق تھا کہ وہ اسے سوچے۔

جس کی یاد اتنی فرحت بخش تھی۔ اس کی محبت اس کا ساتھ کیسا سہانا ہوگا؟

میز پر دھرا موبائل اٹھا کر اس نے بنا کچھ سوچے اس کا نمبر ڈائل کردیا۔

"السلام علیکم!" ایئرپیس سے مخصوص آواز ابھری۔ اس کے ساتھ ہی پیچھے کسی بچے کی قلقاریاں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ تبیل ان گنت آوازوں میں بھی دعا کی آواز شناخت کرسکتا تھا۔ ایک گہری سانس اس کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔ دعا وہ چڑچڑی بچی تھی جو کسی اور کے پاس تو کیا کھیلتی اکثر ماں کی گود میں بھی بسورتی پائی جاتی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"میں الحمدللہ ٹھیک۔ خیر سے فون کیا؟" اس کی آواز میں حیرت سی تھی۔ شاید آخری بار جب بات ہوئی تھی اس کے بعد سے اس طرح بے وجہ کال متوقع نہیں تھی۔

"جی خیر ہی ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کب تک آپ کے گھر آؤں ہمارا ریلیشن ڈکلیئر کرنے؟" جانے کیسے اس کے ہونٹوں سے پھسلا۔ اس نے شائل کو "تم" کہنا شروع کردیا تھا' لیکن اب اک تکلف سا تھا جو شائل نے ہی قائم کیا تھا۔ سو وہ پھر "آپ" پر آگیا تھا۔

"مجھے تھوڑا وقت چاہیے' جلد ہی آپ کو بتادوں گی۔"

"پہلے آپ کو جلدی تھی۔ اب مجھے جلدی ہے۔ ویسے آپ کو وقت کیوں چاہیے اب؟" وہ اس کا ردعمل جاننا چاہ رہا تھا۔

"میرے محسن اس وقت تھوڑی مشکل میں ہیں۔ ان شاءاللہ سیٹ ہوجائیں تو میں آپ سے رابطہ کرتی ہوں۔ اللہ حافظ۔" کچھ سنے بغیر وہ فون بند کرچکی تھی۔

"کاش۔ شائل کاش تم نے اس افتاد پر خوشی کا اظہار کیا ہوتا میرے سامنے اظہار ہی کیا ہوتا۔ کیوں تم مجھ سے پردہ رکھتی ہو کیوں' اب یہ مت کہنا میں انجان ہوں یا غیر' مجھ جیسا مضبوط تعلق کسی سے نہ ہے اور نہ

ہو سکتا ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے تھے۔" وہ تصور میں شمائل کو مخاطب کر کے پوچھ رہا تھا۔ بتا رہا تھا۔

آنے والے دن عجیب سے تھے۔ نہ سکون تھا، بے سکونی تھی۔ نہ آباد تھا نہ دل برباد تھا، گھر کی طرح۔ پاپا نے اگرچہ کمرے کو ری سیٹ کروا دیا تھا۔ ساتھ ہی پورے پورشن کو نئے سرے سے مرین کیا تھا۔ سب کچھ تھا۔ پھر بھی، پھر بھی اک اداسی تھی جو گرد کی طرح ہر شے پر جمی ہوئی تھی۔

شام کو جب وہ آفس سے آتا، لگتا کسی ویرانے میں آگیا ہے۔ دعا مومنہ بھابھی کے پاس ہوتی تھی اور وہ جانتا تھا، مومنہ بھابھی کا صرف نام تھا۔ وہ حوریہ کے پاس ہوتی تھی۔ وہ حیران بھی ہوتا تھا کہ دعا کیسے حوریہ سے اتنی جلدی مانوس ہو گئی تھی۔ اس کی صحت بھی پہلے کی نسبت بہتر ہو گئی تھی۔ وہ سعید بھائی کے پورشن میں کئی بار گیا تھا، لیکن حوریہ نظر نہیں آئی، وجہ اس کے معمولات تھے جس سے سب آگاہ تھے اور حوریہ سے چڑ بھی سب ہی جانتے تھے سو اس کے آنے کے وقت یقیناً" وہ اپنی پناہ گاہ کی طرف چلی جاتی ہو گی۔

آج بھی وہ ادھر ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا گھر کے ہی لوگ تھے۔ دعا پاس ہی کھیل رہی تھی۔ اچانک اس کے ننھے قدم ڈگمگائے اور وہ سامنے پڑے شیشے کی میز سے جا ٹکرائی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہونٹ ایک لمحے میں خون سے تر ہو گئے تھے۔ نبیل نے بھاگ کر اسے پکڑا۔ مومنہ بھابھی اس کی آواز سن کر بھاگی آئی تھیں۔

دعا مسلسل رو رہی تھی۔ وہ ماما، ماما پکار رہی تھی۔ نبیل کے دل پر گھونسا پڑا۔ اس نے بچی کو سینے سے چمٹا لیا۔ بھابھی نے روئی سے اس کے ہونٹ صاف کر دیے تھے۔ یقیناً" نیا نیا نکلنے والا دانت ہونٹ میں گڑ گیا تھا۔ خون رک گیا تھا، لیکن دعا کی چیخوں میں کمی نہیں آئی تھی۔ سعید بھائی نے بھی اسے گود میں لیا، مومنہ بھابھی نے بھی اسے پیار سے سہلایا، لیکن وہ روتی جا رہی تھی۔

نبیل کو بے چینی ہو رہی تھی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اس نے سوچا کہ صدف کو طلاق دے کر اس نے ٹھیک نہیں کیا جو بھی تھا وہ دعا کی ماں تھی، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ دعا پہلے کی طرح زور و شور سے رو رہی تھی۔

"نبیل مجھے دو۔ میں بہلاتی ہوں۔" مومنہ بھابھی اس کی گود سے اسے لے گئیں تو وہ بھی ان کے پیچھے دعا کی آواز کا تعاقب کرتا ہوا چلا آیا۔ فاصلے پر لمبی سیاہ چادر میں لپٹا ہوا وجود حوریہ کا تھا وہ کچھ فاصلے پر گلاب کے پودے کے پیچھے ہو گیا۔

حوریہ نے روتی ہوئی دعا کو گلے سے لگایا اور کچھ گنگنانے لگی۔ دعا جیسے جادوئی اثر کے تحت چپ ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ مومنہ بھابھی پلٹ کر واپس آتیں وہ جلدی سے ادھر سے چلا گیا۔

"تو کیا دعا حوریہ کو ماما کہہ رہی تھی، یا۔۔۔ یا ماں کو پکارتے اس حوریہ میں ماں کا لمس ڈھونڈ رہی تھی بلکہ پا چکی تھی۔" ساری رات اسے اس سوچ نے ہی بے چین رکھا۔

وہ عجیب سے احساسات سے دوچار ہوا تھا۔ ایک بار پھر حوریہ کو دیکھنے کی خواہش دل میں زور پکڑ رہی تھی۔ آج اس نے دیکھا بھی تو پشت سے۔ عجیب بے بسی تھی۔ وہ اسے اپنانا چاہتا تھا، لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

"اس وقت صدف میری بیوی کے روپ میں میرے گھر میں تھی۔" اس نے سوچا۔ اس سوچ نے اک لمحے کے لیے اس کی بے رنگ زندگی میں من چاہے رنگ بھر دیے تھے۔ اب جب اس کی زندگی میں صرف وہی تھی تو کیا اب بھی انکار کی کوئی وجہ کوئی جواز باقی تھا؟ یقیناً" نہیں، وہ اس وقت اس کے ساتھ دوسرا تعلق قطعی فراموش کر بیٹھا تھا۔

وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ شمائل انکار کر سکتی ہے۔ "ہاں اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔ پاپا کو بتا دوں کہ میں حوریہ سے شادی کر چکا ہوں۔" اتنا سوچ کر ہی اسے ایک خیال آیا کہ حوریہ سے اس کا دوسرا تعلق کیا ہے اور اس تعلق کی بنا پر وہ اس کے ساتھ کیا سلوک

digest novels lovers group

کرچکا ہے۔ کیا وہ مجھے قبول کر لے گی؟

ساری رات سوچوں کے جلتے برزخ نے اس کا جسم بھی تپا دیا تھا۔ فجر کی اذان کے وقت وہ اک دکھ کے نشے میں بے سدھ ہو رہا تھا۔ "میرے اللہ میں انسان ہوں۔ خطا کار' سیاہ کار ہوں۔ مجھے معاف کردے اور حوریہ کا دل میرے لیے وسیع کردے۔" بہت شدت سے ٹوٹ کر اس نے یہ دعا مانگی تھی۔

صبح آفس کے وقت آنکھ کھلی تو سہی 'لیکن نہ جانے کی ہمت تھی نہ کام کرنے کی۔ گیارہ بجے کے قریب اٹھ کر اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور سعید بھائی کی طرف چلا گیا۔ روز صبح وہ ناشتا ان ہی کے پاس کرنے جاتا تھا۔ آج وہ نہیں گیا تو ادھر سے بھی کوئی نہیں آیا تھا۔ پچھلے ہفتے سے اس کا یہی معمول تھا۔ صبح صبح طبیعت اتنی بے زار ہوتی تھی کہ وہ ناشتا کیے بغیر ہی آفس چلا جاتا تھا۔ آج بھی ادھر سب یہی سمجھ رہے ہوں گے۔

رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں سرخی سی اتر آئی تھی۔ منہ پہ پانی کے چھینٹے مار کر تولیے سے منہ صاف کر کے وہ سعید بھائی کی طرف آگیا۔ دعا کی ہلکی سی آواز آرہی تھی جو ایک دم بند ہو گئی تھی۔ اسے لگا آواز انیکسی سے آرہی ہے۔ دعا کو دیکھے بھی دو تین دن ہو گئے تھے۔ کچھ سوچے سمجھے بنا وہ ادھر چلا گیا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

اس اجلی صبح میں بھی کمرے میں رات کا ماحول بنا ہوا تھا۔ ہلکی زرد روشنی پورے کمرے میں سائے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ دعا ادھر نہیں تھی۔ وہ جان چکا تھا پھر بھی اس کے قدم واپس نہیں مڑے 'بلاوجہ ہی وہ اس کمرے میں داخل ہو گیا اور اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے لائٹ آن کی۔

سامنے بیڈ پر بے شکن صاف ستھری چادر بچھی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر پانی کا جگ اور ایک گلاس پڑا ہوا تھا۔ دیوار گیر شیشے کے سامنے دروازوں پر ایک خوب صورت گل دان رکھا ہوا تھا۔ صوفوں کے سامنے شیشے کی اسٹائلش ٹیبل پر بھی ایک گلدان پڑا ہوا تھا۔ تقریباً "سب کچھ پہلے جیسا تھا۔ بیڈ کے دائیں ہاتھ اور اس کے بالکل سامنے لکڑی کی ایک کتابوں کی الماری تھی اس نے قریب جا کر دیکھا۔ اکثر کتابیں وہ تھیں جو وہ پڑھ چکا تھا یا پڑھنا چاہتا تھا۔

تب ہی اس کی نظر "پہلی بارش" پر پڑی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس نے کتاب کو شیلف سے نکال لیا۔ اسے یاد آیا پچھلے سال ان ہی دنوں میں اس نے یہ کتاب شیری کے پاس دیکھی تھی۔ دونوں آفس سے گھر جا رہے تھے تب اس نے شیری کے پاس کتابوں میں موجود یہ کتاب دیکھی تھی۔ ایک صفحہ پر مخصوص انداز میں لکھا ہوا "S" دیکھ کر اس نے شیری سے پوچھا تو اس نے بتایا یہ کتاب شمائل کی ہے۔ کچھ دن پہلے کوچنگ میں وہ بھول گئی تھی۔ ہاں۔ شمائل اس کے ساتھ کسی کوچنگ میں شام کو پڑھاتی تھی اور یہ "S" وہی تھا جو عذاب دید پہ بھی مہر کی صورت موجود تھا۔

اس لمحے لائٹ چلی گئی اور بالکل اسی وقت کھلے دروازے سے داخل ہو کر حوریہ کے منہ سے "اوہو" نکلا۔ دروازہ بند کر کے اندازے سے ٹٹولتی وہ اندھیرے میں آگے بڑھ رہی تھی جب کہ وہ شل ذہن کے ساتھ کچھ بھی نہ سوچتے اور سمجھتے ہوئے چپ چاپ وہیں کھڑا تھا۔

میز کی دراز سے موبائل نکال کر جیسے ہی حوریہ نے ٹارچ جلائی تھی کہ بتی بھی آگئی۔ موبائل کی ٹارچ بند کر کے اس نے دوبارہ دراز میں ڈال دیا۔ بے دھیانی میں پلٹی تو پیچھے کھڑے نبیل سے ٹکرا گئی —— اس نے حیران ہو کر نبیل کو دیکھا اور کترا کر وہاں سے گزرنا چاہا 'لیکن نبیل نے جانے کس جذبے کے تحت بازو پھیلا دیا۔ نبیل کے بازوؤں کے حصار میں کھڑی وہ بے حد خوف زدہ تھی۔

نبیل کو نظر آرہی تھی تو صرف وہ لڑکی جس کی ذات سے اس نے محبت کی تھی۔ شفاف آنکھوں والی اس لڑکی کی معصومیت مجھے پہلے نظر کیوں نہیں آئی۔ اس کے دل میں سوال اٹھا تھا۔ سنہری رنگت اور سیاہ

آنکھوں والی یہ لڑکی میری محرم ہے۔ میری ذات کی محرم ہے۔ محرم۔۔۔ لفظ نے اس کے اندر رقص شروع کردیا تھا۔ پیاسی نظروں سے وہ اسے تکتا ہی چلا جاتا اگر اس کی بھنورا آنکھوں سے موتیوں کی لڑی نہ ٹوٹ کر بکھرنے لگ جاتی۔ اک خواب کی کیفیت میں وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اک لمحے میں وہ ہوش کی دنیا میں واپس آگیا۔

"اللہ کا واسطہ مجھے جانے دیں۔" الفاظ بھی موتیوں کی لڑی جیسے تھے۔ اسے چھوڑ کر وہ تیزی سے مڑا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تقریباً" بھاگتے ہوئے کسی کی بھی نظروں میں آئے بغیر وہ لائبریری میں جا پہنچا۔ اس کا فون بج رہا تھا۔ مدہوش سا وہ بستر پر گر گیا۔

"شائل! تم میں اگر کوئی کمی ہوتی تب بھی میں تمہیں ایسے ہی قبول کرلیتا۔" اس نے زیر لب کہا اور ان قیامت خیز لمحات کو سوچنے لگا۔

اس کا فون مسلسل بج رہا تھا۔ بے مزہ ہو کر اس نے ٹیبل پر پڑا فون اٹھایا۔ شائل کالنگ یہ لفظ فون کی اسکرین پر جگمگا رہے تھے۔ اس نے کال کاٹ کر دوبارہ کال کی۔

"جتنی جلدی ہوسکے آپ مجھے یہاں سے لے جائیں پلیز۔" سلام دعا کے بغیر اس نے بات شروع کی تھی۔ بلاشبہ آواز میں نمی تھی۔

"کیا ہوا شائل! آر یو اوکے؟" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"میں خود پر اٹھنے والی انگلیاں برداشت کرسکتی ہوں، لیکن اپنی طرف بڑھتے ہاتھ نہیں۔" وہ بری طرح رونے لگی ـــ نبیل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہے۔ کیسے تسلی دے۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔ تم روؤ مت۔ میں جلد ہی تمہیں اس عذاب سے نجات دلا دوں گا۔ ساتھ میں خود کو بھی۔" آخری فقرہ اس نے دل میں کہا۔

"شائل میری بات سن رہی ہو؟ شائل۔۔۔"

"جی۔۔۔ سن رہی ہوں۔" سسکیوں میں اس کی آواز ابھری۔

"مجھے صرف ایک بات کا جواب دو۔ تم میرے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو؟ دیکھو مجھے غلط مت سمجھنا۔ میں نہیں چاہتا کہ جلد بازی میں ۔ زندگیاں داؤ پر لگادوں۔ ایک بار تم اس دوراہے سے نکل جاؤ پھر مل کر سوچیں گے اور فیصلہ کریں گے۔ میری بات سمجھ میں آرہی ہے؟" اس نے نرمی سے پوچھا تو اس کی سسکیاں تھمنے سی لگیں۔

"ہم۔۔۔ ٹھیک ہے جیسے آپ بہتر سمجھیں، لیکن پلیز جلدی۔۔۔ جتنی جلدی ہوسکے۔" نبیل کو اس روتی ہوئی لڑکی کی جلدی سمجھ میں آرہی تھی۔

"اب اک آخری بات۔۔۔ مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

دونوں طرف خاموشی تھی۔ "صرف آپ سے ہی۔۔۔" ادھوری بات کہہ کر اس نے لائن کاٹ دی۔

"چلو اک مرحلہ تو سر ہوا۔" بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے سوچا۔ اب اس میں ڈو اور ڈائی والی کیفیت پیدا ہو چکی تھی سو تیار ہو کر وہ پاپا کے پاس آفس میں چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سامنے بیٹھ کر بات آسانی سے سمجھا سکے گا۔ آفس میں بات کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا اس لیے پاپا کو لے کر قریبی ریسٹورنٹ میں چلا گیا۔ ادھر بھی بنا کچھ کھائے پیے مضطرب بیٹھے رہنے کے بعد اس کے دل نے کہا کہ گھر میں بات کرنا زیادہ بہتر اور آسان ہوگا سو اب وہ پاپا کو گھر لے کر جارہا تھا۔ پاپا حیران تھے کہ پچھلے کچھ سالوں سے اینگری برڈ کی طرح بات بات پر چونچیں مارنے والا ایک دم سے اتنا نرم خو کیسے ہوگیا وہ بھی بے وجہ۔۔۔ وجہ تو خیر تھی جو وہ نہیں جانتے تھے۔

کچھ ہی دیر میں دونوں پاپا کی اسٹڈی میں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ پرسکون ماحول کا اثر تھا کہ نبیل خود بھی پرسکون ہوگیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے بولتے ہوئے الف سے یے تک پوری کہانی پاپا کے گوش گزار کردی۔ اب اس کی نظریں پاپا کے قدموں سے اوپر نہیں اٹھ سکیں ورنہ وہ ان کے چہرے پر خوشی، غمی، بے بسی جیسے مختلف رنگ آتے جاتے ضرور دیکھ

لیتا۔ نکاح ساتھ اس نے حالات اور کسی حد تک جذبات بھی بیان کردیے تھے۔

"اب کیا چاہتے ہو؟" ساری بات سننے کے بعد پاپا نے کہا تو اس نے تیکھی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"ابھی بھی پوچھنا باقی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" وہ مصنوعی ناراضی دکھا رہا تھا۔

پاپا نے بے یقینی اور محبت سے اسے دیکھا۔ اک عورت سے محبت یا شاید شادی نے ان کا بیٹا چھین لیا تھا ان سے۔ اور ابھی اسی عورت کی بیٹی کے توسط سے انہیں ان کا بیٹا واپس ملا تھا۔ وہ کیسے اس لڑکی کو اپنی زندگیوں سے جانے دیتے؟

"پاپا۔۔۔ آپ اسے سمجھائیں نا پلیز۔۔۔ میری تو وہ بات تب تک ہی سنے گی جب تک اسے یہ نہیں پتا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔" وہ فکرمندی سے بولا۔

"ہاں، اب سارا الزام باپ کے سر ڈال دو۔ شاباش۔" پاپا مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں جاکر بلاتا ہوں اسے۔" وہ دروازے کی طرف بڑھے تو وہ بھی دوڑ کر ان کے پیچھے سے آکر ان سے لپٹ گیا۔

"پاپا۔۔۔ مجھے معاف کردیں۔ پلیز معاف کردیں مجھے۔۔۔ پلیز۔"

"اوئے ہوئے۔" پاپا نے اسے چھیڑا۔ "جب اولاد تائب ہوکر ماں باپ کے گلے آلگے تو اس کے بعد معافی لفظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔" پلٹ کر انہوں نے نبیل کی کشادہ پیشانی سے بال ہٹا کر بوسہ لیا اور باہر چلے گئے۔

ماں اور باپ دونوں ہی گھنی چھاؤں ہوتے ہیں۔ ہم اپنے دل میں انہیں کتنا ہی غلط سمجھیں، وقت ہمیشہ انہیں صحیح ثابت کردیتا ہے۔ اس کا دل محبتوں کی شدت سے بھر گیا تھا۔ پہلے شمائل اور اب پاپا۔۔۔ دونوں سے اسے شدید محبت محسوس ہو رہی تھی۔ آنے والے وقت کا خیال ہی بہت خوش کن تھا۔ کھڑکیوں پر چھائے اندھیرے اسے بہت بھلے لگ رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں ہی پاپا واپس آگئے۔ "سومنہ سے کہہ آیا ہوں بھیجتی ہے ابھی اسے۔"

"جی پاپا۔۔۔" اس نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

کچھ دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پاپا آرام کرسی پر آنکھیں بند کرکے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے متشفق چہرے کے نقوش میں گزرے سال کے اثرات دیکھنے لگا۔ چند منٹ بہت خاموشی سے ان کے پاس بیٹھا رہا۔۔۔ دروازے پر ہلکی سی دستک پر پاپا نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"آجاؤ بیٹا۔ اندر آجاؤ۔" فطری نرمی سے انہوں نے کہا تو دروازہ کھول کر وہ اندر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چائے کا ایک بڑا مگ اور ایک کپ تھا۔ اس نے آہستہ سے وہ ٹرے میز پر رکھی تب ہی اس کی نظر نبیل پر پڑ گئی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ "اب کوئی نیا الزام۔" اس نے سوچا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا۔۔۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔" قدرے فاصلے پر رکھی کرسی پر وہ ایسے بیٹھی تھی جیسے کسی طالب علم کو کمرۂ امتحان میں بٹھا دیا جائے۔ رونے کی شدت سے آنکھیں سرخ تھیں۔ پپوٹے بھی سوجے ہوئے تھے۔ کپڑوں پر دھیان کھینچ لینے والی بے تحاشا سلوٹیں تھیں۔ اس کے باوجود اس نے نماز کی صورت دوپٹا بالوں اور چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟"

"جی۔" یک لفظی جواب دے کر اس نے نظریں پھر سے زمین پر گاڑ دیں۔

نبیل نے سب کچھ بتایا تھا آج صبح والے واقعہ کے سوا۔ وہ جانتا تھا۔

ع ساری بات بتانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں

اور وہ پاگل بالکل نہیں تھا۔ لاپروائی سے وہ ادھر ادھر دیکھتا ایک عادی چور نظر آرہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔" پاپا نے جواب دیا۔ "ایک اچھی بات اور بھی مجھے پتا چلی ہے تمہارے بارے

میں۔جو تم نے نہیں بتائی۔"
اک لمحے کے لیے نظر اٹھا کر اس نے دیکھا اور پھر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔
"تم بالغ ہو اپنی مرضی کر سکتی ہو' لیکن۔۔۔ مجھے یہ یقین نہیں آرہا۔ شادی مبارک ہو بیٹا! جس شخص کو تم نے چنا ہے وہ بلاشبہ اک بہترین آدمی ہے۔"
حوریہ کے دل سے ہوک اٹھی "بہترین شخص میری قسمت میں ہے کہاں؟"
"میرے لیے اب وہ شخص عزیز ترین ہے جسے تم نے چنا دکھ بس یہ ہے کہ تم مجھ پر بھروسا نہیں کر سکیں۔ میں یقیناً" تمہارے لیے اس شخص کو منتخب نہیں کرتا' لیکن سوچ سمجھ کر ہی۔۔۔"
"میں نے بھی سوچ سمجھ کر انتخاب کیا ہے۔ پاپا۔۔۔ اللہ نہ کرے کہ میرا انتخاب غلط ہو' لیکن اگر ایسا ہوا' تب بھی میں آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس نہیں آؤں گی۔" وہ بات کاٹ کر بولی تھی۔ وہ نبیل کی موجودگی میں ان باتوں پر الجھ رہی تھی ورنہ بدحواسی میں اس طرح بات نہ کاٹتی۔
"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ تم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔" وہ خوش ہو کے بولے۔ "پھر اب دولہا میاں تو جلدی رخصتی چاہ رہے ہیں۔" نظریں ترچھی کر کے پاپا نے کہا تو اس نے گھبرا کر نبیل کی طرف دیکھا حسب سابق وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔
"اصل میں' میں چاہتا ہوں کہ تم میری اکلوتی بیٹی ہو تو تمہاری شادی میں دل کے ارمان پورے کروں' خوب دھوم دھام سے تمہاری رخصتی کروں۔
"نہیں نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔" وہ ایک دم بول اٹھی۔ "پلیز آپ سادگی سے سارا معاملہ ختم کریں۔ مجھے دھوم دھام نہیں چاہیے۔" لہجہ اور آواز حتی الامکان دھیما رکھ کر اس نے کہا۔
وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایک شادی شدہ شخص کی زندگی میں اس کے ساتھ کی جانے والی نیکی کی وجہ سے طوفان کھڑا ہو' اس لیے وہ اس بات کو بھی فراموش کر بیٹھی تھی کہ یہ اس کی اپنی شادی کی بات چل رہی ہے اور وہ کھلم کھلا ان معاملات پر اظہار خیال کر رہی تھی۔
"چلو بھئی جیسے تم لوگوں کی مرضی' جو بھی طے کرو مجھے بتا دینا۔" پاپا نے بمشکل مسکراہٹ دبا کر کہا۔ نبیل بھی فرمانبرداری سے "جی پاپا" کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ حوریہ نے تا سمجھی سے دونوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کی چمکتی آنکھیں اس کی غلط فہمی کو کم فہمی ثابت کر رہی تھیں۔
"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔" اضطرابی حالت میں کہتے وہ اٹھ کر دو قدم پیچھے ہٹی اور پھر چکراتے سر کے ساتھ کرسی کو سہارے کے لیے تھامتے ہوئے اس نے نبیل کو اپنی طرف لپکتے دیکھا۔ بے ہوش ہونے سے قبل اس کے ذہن کے پردے پر اک آخری منظر اس کی ماں کی میت کا تھا۔ اس نے آہستہ سے "ماں" پکارا اور ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

اسے تو موت کا پتا بھی نہیں تھا جب موت دیمک کی طرح اس چھوٹے سے خاندان کی خوشیوں کو چاٹ گئی۔ صحن کے عین وسط میں بچھی چارپائی پر ابو سو رہے تھے اور لوگ جنازہ جنازہ پکار رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی پتا نہیں جنازہ کیا ہوتا ہے۔ چارپائی کے اطراف میں دور نزدیک کے سب ہی رشتہ دار جمع تھے اس کی ماں رو رہی تھی۔ بہت بری طرح سے رو رہی تھی۔
وہ کمرے میں سو رہی تھی جب شور کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ دروازے کے بیچ کھڑی حیرت سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ تب ہی کسی کی نظر اس پر پڑی۔ کسی نے اسے ساتھ چمٹا کر پیار کیا۔ سب رو

رہے تھے اور اسے ہنسی آرہی تھی کہ سب رو کیوں رہے ہیں۔ تب کسی رشتے دار خاتون نے اسے اٹھا کر اس کے ابو کی چارپائی کے نزدیک کھڑا کردیا۔

وہ کہہ رہی تھیں" تمہارے ابو جارہے ہیں اور اب کبھی واپس نہیں آئیں گے۔" وہ سوچنے لگی کہ اس کے ابو تو سو رہے ہیں اور سوئے ہوئے کہاں جائیں گے۔ اور پھر اس دن کے بعد جب ابو واپس نہیں آئے تو اس نے ماں سے بھی نہیں پوچھا۔ ابو کی کوئی بات ہوتی تو وہ رونے لگ جاتیں۔ ماموؤں نے بہت ضد کی وہ لوگ ان کے پاس چلیں لیکن ماں نہیں مانیں۔ خود وہ بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔ ابو کی پنشن اور ماموؤں کی مدد سے گھر کا خرچ چلنے لگا۔ نہ اس کے پاس کھلونے تھے اور نہ ہی خوب صورت کپڑے۔ ماموں پوچھتے کچھ چاہیے یا کیا لینا ہے تو وہ آہستہ نفی میں سر ہلا دیتی۔

زندگی کچھ سال اسی طرح گزری پھر اک دن اس کی طبیعت خراب ہونے پر اسے اسپتال لے جایا گیا جہاں پر ایک انکل نے اسے پیار کیا۔ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھیں، کہانیاں سنائیں اور کھلونے لا کر دیے۔ اسے پتا تھا کہ ماں کو برا لگ رہا ہے لیکن اسے انکل کا آنا اچھا لگ رہا تھا۔ پھر گھر آنے کے بعد بھی وہ انکل ماموں کے ساتھ آئے تھے۔ گھر میں اک دبا دبا سا شور تھا۔ وہ صحن میں کھڑی تھی کہ بیٹھک سے اپنی ماں کی آواز سنی۔

"بھائی جان اگر میں آپ پر بوجھ ہوں تو مجھے بتادیں۔" تب ماموں نے جواب دیا۔

"بھلا بہنیں بھی بھائیوں پر بوجھ بنی ہیں۔"

"تو پھر آج اس موضوع کو ختم ہوجانا چاہیے۔ میں اپنی بچی کے ساتھ خوش ہوں، مطمئن ہوں۔ دوبارہ مجھ سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا۔" اس کے بعد کچھ عرصہ سکون سا رہا پھر ایک دن ایک عورت ان کے گھر آئی۔ قیمتی لباس میں آنے والی اس خاتون کے چہرے پر اک اداسی سی تھی۔ وہ چند منٹ بیٹھک میں بیٹھی اور چند باتوں کے بعد ہی چلی بھی گئی۔

اس نے کہا تھا۔ "میں نے بڑوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا کر اپنی آدھی زندگی بے رنگ گزار دی ہے اور آنے والی آدھی زندگی میں بھی کوئی رنگ نظر نہیں آرہا لیکن میں چاہتی ہوں میرے ہم سفر کی زندگی میں اس کی مرضی کے گلاب کھلیں، سود و زیاں کا حساب کرنے بیٹھیں تو میرے حصے میں سے یہ پچھتاوا نکل جائے کہ میں نے انہیں خوشی نہیں دی۔" اس کے بعد اسے خبر نہیں سوائے اس کے کہ اب انکل اکیلے ہی گھر آنے جانے لگے تھے۔

اس کے لیے ٹافیاں بھی لاتے اور کھلونے کپڑے وغیرہ بھی۔ اسے عجیب سا لگتا تھا پھر انکل ان دونوں کو لے کر اپنے گھر گئے۔ وہاں جو ہوا اس سے اس نے سمجھا کہ وہ کسی کے حق پر بلاوجہ قابض ہو رہی ہے۔ اور یہ بھی کہ ان کا انکل سے رشتہ ٹھیک نہیں۔ اس لڑکے کی باتیں بھلے وہ اس وقت سمجھی تھی یا نہیں مگر اس کے لہجے میں نفرت اور لفظوں میں حقارت وہ جان گئی تھی۔ بعد ازاں اسے از خود سمجھ میں آنے لگا تھا۔

میٹرک کے بعد اس نے انکل سے کچھ بھی لینا بند کردیا تھا۔ گلی کے چند بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنی ضرورتیں پوری کرنے لگی۔ اللہ بھلا کرے ہمسائے میں قدرے بعد میں آکر آباد ہونے والے شہریار کے خاندان کا کہ جس نے اس کی پوری طرح مدد کی۔ وہ جو کام ہوتا سہولت سے شہریار کی امی سے جا کہتی اور وہ شہریار سے کہہ کر وہ کام کروا دیتیں۔ رفتہ رفتہ امی کی بجائے وہ ڈائریکٹ شہریار سے کہنے لگی۔

نوٹس کاپی کروانے ہیں۔ ایڈمیشن فیس جمع کروانی ہے۔ کتاب منگوانی ہے۔ ٹیوشن پڑھائی اکیڈمی میں سی وی ڈراپ کرنا وغیرہ وغیرہ شہریار بھی بنا کسی حیل حجت اس کے کام کردیتا تھا۔

اکثر جب وہ نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو شہریار کے لیے دعا ضرور کرتی۔ اللہ نے اگر بھائی نہیں دیا تھا تو شہریار ضرور دیا تھا۔ اصل کارساز تو اللہ ہوتا ہے وسیلہ شہریار بنا پھر وہ اس قائل ہوگئی تھی کہ کسی پر انحصار نہیں کرتی تھی بلکہ اکثر کی ضروریات بھی اپنے

پیسوں سے پوری کرتی تھی۔ جب دل میں سکون اترنے لگا تب ہی ایک بار پھر وہ تنہا ہو گئی۔ ماں کی موت نے اسے گم صم ہی کر دیا۔

چند دن خالہ کے ساتھ رہی۔ ابھی اس کے دل دماغ نے اس صدمے کو قبول نہیں کیا۔ ایک دن خالہ نے فون کر کے انکل کو بلا لیا۔

"بھائی صاحب آپ کی بیٹی آپ کی امانت ہے' میں مجبور ہوں اسے اپنے پاس مستقل نہیں رکھ سکتی۔"

وہ ذہنی طور پر اتنی گم صم تھی کہ ان الفاظ کو سن کر بھی سمجھ نہیں سکی۔ جب واپس گھر پہنچی اور حسب سابق بے عزتی سے استقبال ہوا تب بولتے بولتے بھی وہ چپ کر گئی۔ اس نے زمانے کی آنچ پر خود کو پگھلا کر اپنا وجود خود ڈھالا تھا۔ اس کی انا اور عزت نفس کا قد خود اس کے قد سے بھی کئی گنا اونچا تھا ایسے میں وہ کیسے کسی غیر متعلقہ شخص کو اپنی ذات' اپنے کردار کی دھجیاں بکھیرنے دیتی۔ خود کو مزید ذلیل ہونے سے بہتر عملی طور پر جواب دینا مناسب سمجھا اس گھر میں پہلا قدم رکھتے ہی اس نے اپنے لیے واپسی کا راستہ بھی سوچ لیا۔

اور پھر موبائل خرید کر اس نے شہریار سے رابطہ کیا اور روئے پیٹے بغیر مختصر انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔ اب اسے نہیں معلوم شہریار نے کیسے اور کسے تیار کیا اسے نہ نام سے غرض تھی نہ ذات سے۔ پیپر سائن کر کے دیتے ہوئے بھی تفصیل پر نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہیں کیا۔ شہریار نے بتایا تھا اک دوست شادی شدہ ہے سو طلاق والا معاملہ آسانی سے نمٹ سکے گا۔ پھر جب اس کے کردار پر انگلی اٹھائی گئی تو اس کے ضبط کا پیمانہ صرف اتنا بھرا کہ جسمانی تکلیف بھلا کر اس نے اپنے نام نہاد باپ سے کہا "میرا اعتبار کریں۔" وہ کیوں کرتا اس کا اعتبار؟

وہ روئی۔۔۔ اس دن بے حد ٹوٹ کر روئی۔ لیکن صرف اس رات۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ جلد از جلد اس گھر سے چلی جائے گی۔ کسی ایسی جگہ جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو۔ جہاں کوئی اپنی آنکھوں پر بے اعتباری کی پٹی باندھ کر اس کے کردار پر نادیدہ داغ نہ دیکھے۔ وہ چاہتی تھی رخصتی کے نام پر اس گھر سے نکل کر کسی ہاسٹل چلی جائے۔ طلاق لے کر وہ تن تنہا زمانے کا سامنا کرنا چاہتی تھی۔ جن کا کوئی نہیں ہوتا اللہ ہوتا ہے اور اللہ اس کا بھی تو ہے۔ یہی سوچ اسے ہارنے نہیں دیتی تھی اس کے ہر زخم کا مرہم یہی سوچ بنتی تھی۔

جب اس کی پہلی بار اپنے محرم انسان سے بات ہوئی اس نے اپنا لہجہ بھی لچک دار نہیں رکھا۔ اپنی کسی بات سے وہ اس بندے کے دل میں شک پیدا نہیں ہونے دینا چاہتی تھی لیکن آہستہ آہستہ نہ جانے کیسے وہ اس نرم لہجے اور سلجھے لفظوں میں الجھی کہ اپنی سوچ سمجھ بھول بیٹھی۔

ان میں کافی قدریں مشترک تھیں جن میں سب سے پہلی قدر کتابیں تھیں' کتابیں دونوں کا جنون تھیں۔ دونوں کی معلومات قابل قدر تھیں۔ اور تبصرے لاجواب تھے۔ دونوں اک دوسرے میں الجھ کر اپنا آپ بھولتے تھے۔ لمحہ اظہار آیا تو وہ اقرار کرنا چاہتی تھی۔ ریگستان کی تپتی ریت کے سفر زیست میں وہ شخص اک گھنی چھاؤں جیسا تھا۔ اگرچہ کوئی خدا اس رشتے میں لاگو نہیں تھی پھر بھی۔۔۔ پھر بھی وہ اس مقام تک نہیں آیا جہاں اس کا کردار۔ اس کا اخلاق حوریہ کی نظر میں گرتا۔ وہ پیاسی مٹی تھی۔۔۔ جانتی تھی اک اقرار اسے تاعمر سیراب کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پھر بھی اس نے اقرار نہیں کیا۔

وہ جھیل چکی تھی دوسری عورت کی اولاد ہونا۔ اپنی ماں کے آنسو وہ اپنی آنکھوں سے رونے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ آج ہاں کر کے غاصب نہیں کہلوانا چاہتی تھی۔ اس نے اس سوالی کو خالی لوٹایا تھا۔ وہ خود سوالی تھی۔ اس کے بعد اس نے ہی نہیں پورے گھر نے دیکھا کیسے اللہ کی ذات نے اس کے دامن کی پاک دامنی کا ثبوت دیا۔

اسے دعا سے ہمدردی تھی' اسے لگا اک اور حوریہ تخلیق ہونے جا رہی ہے۔ وہ معصوم بچی تو کچھ جانتی

digest novels lovers group

نہیں تھی۔ اس نے اسے توجہ دی' پیار دیا صرف اس لیے اس سے نفرت نہ کی کہ یہ اس شخص کی بیٹی ہے جس نے ہر بار سامنا ہونے پر اسے ذلت سے دوچار کیا۔ اور آج صبح جو ہوا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ شخص اتنا بھی نیچے گر سکتا ہے۔

اس گھر میں اسے اتنا سکون تو تھا کہ اس گھر کے مکینوں کے کام کرے' ذلت سہ کے۔ اس کی عزت اس گھر میں محفوظ تھی آج اس کا یہ وہم بھی دور ہو گیا تھا۔ اور اب جب وہ خود کو اس گھر اس ماحول سے نکلنے پر پوری طرح تیار کر چکی تھی اسے کہا جا رہا تھا کہ اسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ اس کے فرار کی راہ اسے واپس یہیں لے آئی۔ کیسا بھدا مذاق کیا تھا۔ قسمت نے اس کے ساتھ۔

"حوریہ۔۔۔ حوریہ اٹھو۔" مومنہ بھابھی کی آواز اسے ماضی سے حال میں لے آئی تھی۔ حال بھی ایسا کہ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکی کہ کاش یہ خواب ہوتا۔ بے دلی سے آنکھیں کھول کر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"تم نے کیا اتنے دن فاقہ کیا تھا۔ اتنا بی پی لو کہ ڈرپ لگوانی پڑ جائے۔ لڑکی! تم یہ تو ثابت نہیں کرنا چاہ رہیں ناں کہ میں تمہاری سوتیلی بھابھی ہوں؟" انہوں نے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ سجا کر تازہ جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہی منع کر دیا۔

"بھابھی! ویسے سگی بھابھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے کیونکہ اس کے اپنے کچھ خدشات ہوتے ہیں۔" جواباً" اس نے بھی نقاہت زدہ لیکن مزاحیہ لہجے میں جواب دیا۔ دونوں ہی ہنس پڑیں۔

"اچھا یہ جوس تو پیو۔ اب دوبارہ ڈرپ نہیں لگوانی تمہیں۔"

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔ پلیز" روکتے روکتے بھی آنسو اس کی گالوں پہ بہنے لگے۔

"پاگل ہو تم۔۔۔" انہوں نے تیزی سے اس کے آنسو پونچھے۔ "ویسے مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے۔"

"اوہ تو انہیں بھی سب پتا ہے۔" اک تھکی سی سانس بھر کر اس نے تکیے پر سر ٹکا دیا۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئیں اور تھوڑی دیر بعد پھر اندر آ گئیں۔

"تمہارے لیے کچھ رکھ کر جا رہی ہوں دیکھ لینا اور ہاں جوس ضرور پی لینا۔"

ان کے جانے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ سائیڈ ٹیبل پر گلابوں کا گلدستہ تھا اور اس میں تہ شدہ رنگین کاغذ بھی۔ جیسے تیسے سہارا لے کر وہ بیٹھی تھوڑا سا کھسک کر اس نے وہ کاغذ نکالا۔

ہم بھی شکستہ دل ہیں' پریشان تم بھی ہو
اندر سے ریزہ ریزہ میری جان تم بھی ہو
ہم بھی ہیں ایک اجڑے ہوئے شہر کی مثال
آنکھیں بتا رہی ہیں کہ ویران تم بھی ہو
مل جائیں ہم تو کیسا سہانا سفر کٹے
گھائل ہیں ہم بھی سوختہ سامان تم بھی ہو

اس کا دل چاہا اس کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ لیکن اس شخص کے ساتھ گزری راتوں کی باتیں یاد آ گئیں تو بے بسی کے احساس سے آنکھیں چھلک اٹھیں۔ یوں ہی کتنی دیر وہ کاغذ ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔ اچانک پاپا کے کھنکارنے کی آواز سن کر اس نے کاغذ تیزی سے چھپا دیا۔

"السلام علیکم پاپا۔"

"وعلیکم السلام بیٹا۔ خوش رہو آباد رہو۔ کیسی طبیعت ہے؟"

"جی بہتر ہے۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ پاپا پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اصولاً" رات کے اس پہر مجھے اس طرح بات کرنے کے لیے آنا نہیں چاہیے تھا۔ جب مومنہ نے بتایا کہ تم اٹھ گئی ہو تو سوچا ساری رات طرح طرح کی سوچیں تمہیں پریشان کریں گی تو کیوں نہ کچھ دیر تم سے بات کروں۔ تاکہ دونوں کو اچھی نیند آنا چاہیے۔"

وہ چپ بیٹھی رہی۔

"وجہ مجھے بھی نہیں پتا لیکن تم جو فیصلہ کرو گی میں اس سے نہ صرف اتفاق کروں گا بلکہ نبیل بھی اس

فیصلے کو مانے گا اور اسے ماننا پڑے گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے لیکن کچھ بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اک بار سوچنا کہ میں اور نبیل نئے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ مومنہ اور سعید بھی اور ــــ اور خود تمہارا اپنا دل بھی۔"

جانتی ہو تمہاری ماں اور میری یہی خواہش تھی لیکن نبیل کی بے جا ضد سے مجبور ہو کر میں نے اس کی بات مان لی تھی۔ مجھے دکھ دینے کے لیے اس نے مجھ سے ضد باندھی تھی۔ خدا گواہ ہے میں نے کبھی اسے بددعا نہیں دی لیکن میں جانتا تھا کہ میرے بیٹے جیسے نفیس ذہن کا مالک صدف جیسی لڑکی کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتا لیکن ــــ خیر ــــ تم یہ بالکل مت سمجھنا کہ میں اپنے بیٹے کا وکیل بن کر آیا ہوں۔ میں صرف چند حقائق شیئر کرنا چاہتا ہوں۔

بسمہ خالصتاً" میری اپنی پسند تھی لیکن گھر والے نہیں مانے۔ سب کو یہی لگتا تھا کہ چار دن کا فتور ہے میری محبت ــــ شادی کے بعد میں نے نبیل کی ماں کو بہت عزت دی۔ بہت مان دیا ــــ نہیں دے سکا تو وہ تھی محبت۔ میں بے بس تھا۔ پھر جب اسپتال میں مجھے تم لوگ ملے تو مجھے پتا چلا تمہارے ابو کی وفات کا' بسمہ کو ایک بار میں کھو چکا تھا۔ دوسری بار اگر قسمت نے موقع دیا تھا تو میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ سچ کہوں تو مجھ میں حوصلہ ہی نہیں تھا۔ میری ہر پیش قدمی پر وہ میری حوصلہ شکنی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز اسے میری قسمت بننا پڑا۔

میں نے اسے بے حد محبت دی۔ عزت دی ــــ لیکن اسے عزت دلوا نہیں پایا۔ وجہ ہمارا معاشرہ ــــ وہ معاشرہ جو نام نہاد اسلامی ہے۔ اسلام چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور معاشرہ دوسری شادی بھی قبول نہیں کرپاتا۔ دوسری شادی کرنے والوں کو آج بھی اس طرح دیکھا جاتا ہے۔ جیسے ناجائز تعلق میں بندھے ہوں۔ یہی احساس بسمہ کو اندر سے ختم کر گیا۔

میرا بیٹا اسی معاشرے میں پلا بڑھا ہے۔ جہاں کوئی بھی دوسری شادی کرے اسے غلط نظروں سے ہی دیکھا جاتا ہے۔ مصلحت آڑے آئے تو دل سے برا سمجھا جاتا ہے اور بات جب اپنی ماں' بہن بیٹی کی آجائے تو دوسری شادی کو اک ناقابل معافی جرم تصور کرلیا جاتا ہے۔ ناجائز تعلقات کو معاف کردیا جاتا ہے۔ بعد ازاں بھلا بھی دیا جاتا ہے لیکن دوسری شادی سانسوں کو ختم ہونے تک اک گالی کی طرح ساتھ رہتی ہے۔

نبیل اک حساس بچہ تھا۔ اس معاشرے کے زیر اثر اس نے یہی سوچا کہ اس کی ماں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ وہ مجھے مجرم تصور کرتا تھا اور میرے ساتھ بسمہ اور تمہیں بھی۔ تم دونوں کو اس گھر میں لے کر آنا میری زندگی کی ناقابل تلافی غلطی تھی۔ نبیل کی باتوں نے تمہیں مجھ سے دور کردیا۔ میں جانتا ہوں۔ پہلے میرے تحائف پر تمہاری آنکھوں میں اک ممنون سی چمک ابھرتی تھی جو بعد میں احسان کے اندھیرے بن گئی۔ تم مجھ سے میری لائی چیزوں سے کترانے لگیں بسمہ پریشان ہوتی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ تمہیں اپنا راستہ کھوجنے دے۔ خود اپنی ذات تک پہنچنے کی کوشش کرنے دے۔ ہم دونوں اگر تمہیں اپنی مرضی سے بنانے کی کوشش کرتے تو تمہاری مزاحمت تمہارے خدوخال بگاڑ دیتی۔ ہم نے اپنے تئیں تمہاری راہ ہموار کی۔ تمہیں وہ سب کرنے دیا جو تم چاہتی تھیں۔ کبھی بڑے پن کی دھونس جما کر کیوں؟ کیا؟ جیسے سوال نہیں اٹھائے۔ ہاں یہ دکھ ضرور ہوتا تھا کہ تم نے خود کو تنہا کرلیا ہے۔ اپنی طرف سے تم نے خود کو ہم سے توڑ لیا تھا۔" وہ سانس لینے کو رکے۔

"لیکن بھلا بچے بھی ماں باپ سے علیحدہ ہو سکتے ہیں؟ مجھے تم ایسے ہی عزیز تھیں اور ہو جیسے میری اپنی بیٹی۔ ہاں میں شرمندہ ہوں جب تم پر بدکرداری کا الزام لگا تب میں خاموش رہا۔ وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں تھا۔ اعتبار کی بات تو بعد میں آتی ہے مجھے پتا تھا تم جیسی سلجھی اور باکردار لڑکی اتنی پست حرکت نہیں کر سکتی لیکن بنا کسی ثبوت کے میں تمہارے حق میں بولتا تو تنگ دل تمہارے لیے گھیرا مزید تنگ کردیتے۔ میری غلطی ہے۔ مجھے بولنا چاہیے تھا۔ بنا ثبوت کے بھی مجھے بولنا چاہیے تھا۔ میں شرمندہ ہوں۔ مجھے

معاف کردینا بیٹا۔۔۔" انہوں نے ہاتھ جوڑے تو بے اختیار اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

" بیٹی کہہ کر معافی مانگتے ہیں؟ مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

نظر بھر کر اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے سلسلہ کلام پھر سے جوڑا۔ "مجھے شرمندہ ہونا ہی چاہیے۔ میں نے دعا کی تھی کہ اللہ تمہیں پاک دامن اس گھر سے رخصت کرے اور دیکھو اللہ کی ذات نے کیسے تم کو پاک ثابت کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ نبیل صدف کو طلاق دے۔ لیکن طلاق ہوگئی۔ میں کبھی نبیل کے لیے تمہارا ساتھ چاہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اپنی اس خواہش سے میں بہت پہلے دستبردار ہو چکا تھا لیکن قربان جاؤں اس ذات کے جس نے تمہیں ذریعہ بنا کر دلوں کے میل صاف کیے۔

تمہیں مان لینا چاہیے کہ ہمارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوا۔ یہ اللہ نے لکھا ہے۔ تمہارا رشتہ اللہ نے جوڑا ہے۔ ظاہری تعلق کے پس پشت تم دونوں اک دوسرے کی ذات تک پہنچے ہو۔ اور ذات تک راستے یوں ہی نہیں ملا کرتے اور نہ ہی ہر کسی سے ملا کرتے ہیں۔ میں اپنی غرض اور چاہت اک طرف رکھ کر تمہیں اس تعلق سے آزاد کروا کے نئی جگہ، نئے تعلق سے باندھ دوں تو کیا گارنٹی ہے وہاں کوئی تم تک تمہاری ذات تک پہنچے گا۔

تم نے خود کو پہلے بھی تنہا کرلیا تھا اور پھر اب وہی کرنے جارہی ہو۔ اور اک بات۔۔۔ تم چلی جاؤ تو دعا کے لیے اور کوئی نہیں آئے گی؟ کیا وہ بھی حوریہ کی طرح تنہا جیے گی۔"

"اللہ نہ کرے" نہایت سرعت سے اس نے جواب دیا۔

"میری باتوں پر غور کرنا اور پھر کوئی فیصلہ کرنا۔ بسمہ کی قسمت میں لکھنے والے نے یہی لکھا تھا۔ مرنے والوں کے پیچھے زندہ لوگوں سے بدلے نہیں لیتے۔" آخری فقرہ انہوں نے شگفتہ لہجے میں کہا تھا۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب تم سو جاؤ۔۔۔ صبح ناشتے پر ملیں گے ان شاء اللہ۔ اللہ حافظ۔"

وہ گم صم بیٹھی رہی۔ وہ اتنا تھک چکی تھی کہ اتنے سوالوں میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرسکی۔ صد شکر کہ نیند نے ترسایا نہیں۔

صبح جب آنکھ کھلی تو اذان ہو رہی تھی۔ وہیں بستر پر بیٹھ کر اس نے اذان سنی۔ نماز کے لیے وضو کرنے گئی تو آئینے پر نظر پڑتے ہی جانے کیوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ساری رات پُرسکون سونے کے بعد اب وہ تازہ دم ہوتی لیکن جانے کیوں دل گھٹا ہوا سا تھا۔ نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ تو اٹھا لیے لیکن مانگا کچھ بھی نہیں گیا۔ خالی ہتھیلیوں کو تکتے رہنے کے بعد بے بسی کے احساس سے وہ پھر رو پڑی۔

کیا ہو جاتا اگر وہ اس کا محرم اور محرم ذات نہ ہوتا؟ کیا ہو جاتا اگر اس کا محرم اور محرم ذات کوئی اور ہوتا؟ رونے کی انتہا تک جا کر جانے کیسے دل پرسکون ہو گیا تھا۔ جائے نماز لپیٹ کر وہ لان میں چلی گئی صبح کی ٹھنڈی تازہ ہوا ہر موسم ہر موڈ میں اس کی پسندیدہ رہی تھی۔ ننگے پاؤں چند قدم نم آلود گھاس پر چلنے کے بعد وہ بادام کے پیڑ سے کمر ٹکا کر زمین پر ہی بیٹھ گئی۔

"تم یہاں بیٹھی ہو اور میں تمہیں پاگلوں کی طرح اندر ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔" اس نے حیرت سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گیا۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ بہت پیارا لگ رہا ہوں؟" اس نے اتنے اشتیاق سے پوچھا تھا کہ اس نے ایک دم نظر کا زاویہ بدل لیا۔

"نہیں مجھے کوئی مسئلہ نہیں دیکھتی رہو۔۔۔ حق ہے تمہارا۔ بلکہ صرف تمہارا ہی حق ہے۔"

کیسی باتیں کر رہا تھا وہ اس سے بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا وہاں۔ اس نے تیزی سے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن

digest novels lovers group

بیل نے اس کا ارادہ بھانپ کر ایک سیکنڈ سے پہلے اس
انرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس حرکت پر وہ بے
دش ہوتے ہوتے بچی۔

"پہلی بار نہیں چھوا تمہیں۔ رات جب خوشی سے
بے ہوش ہو گئی تھیں تو میں نے ہی تمہیں اپنی بانہوں
ں بھر کے۔"

"پلیز اسٹاپ اٹ۔" اس نے جھٹکے سے ہاتھ کھینچ
کر بات کاٹی۔ "آپ کے لیے مذاق ہے یہ سب؟......"
وہ ابھی اور بھی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن آنسو بہنے لگے تو
سے چپ ہونا پڑا۔

"میرے لیے کبھی کچھ مذاق نہیں رہا۔ اگر تم مجھے
پنے ماں کے سوتیلے رشتے سے جاننا چاہ رہی ہو تو ہاں
یں انتہائی نفرت کرتا تھا اس دوسرے رشتے سے۔ اگر
نمہارے لیے تمہاری ماں کو تکلیف دینے والے کو
معاف کرنا ناممکن ہے تو کیا مجھے میری ماں کے لیے کوئی
جذبہ رکھنے کا حق نہیں؟

میں شروع سے ہی پاپا سے زیادہ اٹیچ تھا لیکن ان کی
دوسری شادی نے مجھے ان سے دور کر دیا۔ مجھے بٹے
ہوئے رشتے پسند نہیں۔ میں بغیر رشتوں کے رہنے کو
زیادہ ترجیح دوں گا بہ نسبت بٹے ہوئے رشتوں کے اور
اگر تم مجھے اپنے شوہر کے حوالے سے جاننا چاہ رہی ہو تو
میں قسم کھا سکتا ہوں کہ۔ تمہارے علاوہ مجھے کوئی اتنا
نہیں جانتا۔" بات ختم کر کے وہ اس کے مقابل آن
کھڑا ہوا۔

"شمائل...... صرف ایک بار سب دن بھلا کر وہ
راتیں یاد کرنا جو ہم دونوں نے بے خواب رہ کر خوابوں
میں گزاری ہیں۔ سچ بتاؤ تمہیں نہیں پتا میں کتنا چاہتا
ہوں تمہیں؟ چلو میرا چھوڑو اپنا بتاؤ...... اپنا تو تم جانتی ہی
ہو ناں کتنا چاہتی ہو مجھے......" اس کی جذبوں سے
بوجھل آواز نے اسے پتھر کیا ہوا تھا۔ "کاش میں یہیں
مر جاؤں۔ کیسے رہ سکتی ہوں میں اس شخص کی محبت اور
اس شخص کے بغیر۔" شدت کرب سے اس نے
آنکھیں موند لیں۔

"مان جاؤ پلیز ضد چھوڑو اب...... چھوڑ دو خود کو اور
مجھے سزا دینا......" وہ اس کے اتنا قریب کھڑا تھا کہ اس
کے وجود کی مہک اسے اپنے وجود پر چھائی ہوئی محسوس
ہو رہی تھی۔

"مان جاؤ ناں۔ ورنہ شادی کا ڈریس اورنج کلر میں
لے آؤں گا۔" اس نے تیزی سے بات پلٹی۔ حوریہ
نے ایک بار اسے بتایا تھا کہ اسے اورنج کلر بہت برا لگتا
ہے۔

"میں بھی شادی نہیں کروں گی۔" اس نے بھی
تیزی سے جواب دیا تھا۔ پھر اسی تیزی سے نچلا ہونٹ
دانتوں تلے دبا لیا۔

نبیل کے چہرے پر پرسکون سی چمک اور خوب
صورت سی مسکراہٹ تھی۔ "یعنی اورنج کے علاوہ
کوئی اور کلر لے آؤں تو شادی کرو گی۔؟ ویسے شادی کا
تکلف کیوں کرنا۔ وہ تو ہو چکی اور رخصتی تو تم یوں بھی
سادگی سے کرنا چاہ رہی تھیں اور پاپا...... انہوں نے بھی
اجازت دے دی تھی کہ تمہیں کمرے میں لے
جاؤں۔ وہ مسکرا رہا تھا اور وہ خفت آمیز تاثرات سجائے
زمین کو گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا جو
نبیل نے سرعت سے ہاتھ آگے کر کے ہاتھ پر لے
لیا۔

"بہت برے ہیں آپ......" اب اس کی بات میں
تکرار نہیں تھی۔

"جو بھی ہوں، جیسا بھی ہوں...... تمہارا ہی
ہوں۔" آگے بڑھ کر اس نے حوریہ کو پہلو سے لگا لیا
اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

نبیل نے نرمی سے اس کے گال صاف کیے۔
"وعدہ کر رہا ہوں کبھی میری وجہ سے یہ آنسو نہیں بہیں
گے۔" اس نے خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔

"بندہ رومانس تو کمرے میں جا کر کرے، ٹیرس پر
کھڑے پاپا نے کہا تو وہ ایک دم اس سے دور ہوئی۔
"پاپا" نبیل نے منہ بسورا تو پاپا اس کی کیفیت سے
لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنسنے لگے۔

✡